P No 15278 ذکر صاحب
NOT TO BE ISSUE

الحمد للہ کہ اس کی توفیق سے رسالہ صدق مقال

شہادت القرآن

علی الندا
بان المسیح رفع حیا الی السماء

کا

دوسرا باب

از تصنیف

خادم سنت حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

ماہ رمضان سنہ ۱۳۲۳ھ میں

پنجاب پریس سیالکوٹ میں طبع ہوا

تعداد جلد (۷۰۰) ۔ قیمت فی مجلد (۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتٰب ولم یجعل لہ عوجا وقال فلا یتدبرون القراٰن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ فما احکم مرادہ وما اتقن بیانہ بتصریف الاٰیٰت وتکریر الکلمات وقال ولا یاتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیرا واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ کافۃ للناس بشیرا و نذیرا صلی اللہ علیہ وعلٰی الہ الاطہار واصحابہ الاخیار وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ۝

دیباچہ

امابعد۔ پس حضرات انصاف پسند حق نیوش پر واضح ہو کہ رسالہ شہادت القرآن کا پہلا باب عرصہ دو سال سے طبع ہو چکا ہے موافقین میں اُس کی قبولیت اور مخالفین پر اُسکی اتمام حجت اس کے مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر ہے۔ اب اس کا دوسرا باب مطبوع ہو کر ہدیہ ناظرین ہوتا ہے۔ اس میں ان تئیس آیتوں کا جواب ہے۔ جو مرزا صاحب نے اپنے ازالہ اوہام میں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی وفات قبل النزول کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اس باب کے لکھنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ پہلے باب میں اپنے عقیدہ حیات و رفع عیسوی کو مع مالہا وما علیہا قرآن شریف سے ثابت کیا گیا ہے اور چونکہ مرزا صاحب نے اپنے ازالہ اوہام میں بہت زور سے کہاہے۔ کہ قرآن کریم سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی وفات ثابت ہے۔ اور اس سے قرآن شریف کے مضامین میں اختلاف و تعارض پایا جاتا ہے۔ اسلئے ضروری ہوا کہ اپنے عقیدے کی تائید کے لئے مخالف کے دلائل کو توڑا جائے۔ اور ضعیف بلکہ غلط اور باطل ثابت کیا جائے + واللہ الموفق وعلیہ توکلت والیہ انیب +

وانا العبد المفتقر

الی اللہ الکریم محمد ابراھیم میر السیالکوتی

باب ثانی

در ازالۂ اوہامِ قادیانی و دفعِ وساوسِ شیطانی

مرزا صاحب نے اپنے ازالہ تقطیع خُرد جلد ۲ کے صفحہ ۵۹۸ سے صفحہ ۶۲۷ تک ۳۰ تیس آیتیں ذکر کی ہیں۔ جن سے اِن کا مقصود برخلاف مرادِ الٰہی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی موت قبل النزول ثابت کرنیکا ہے۔ سو واضح ہو کہ وہ بیان کردہ آیات تین قسم کی ہیں۔ اوّل وُہ آیات جن میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا ذکر ہے۔ دوم وہ آیات جو عموماً دیگر انبیاءؑ علیہم السّلام کی وفات پر دلالت کرتی ہیں۔ اور مرزا صاحب نے اس خیال سے کہ مسیح علیہ السّلام بھی ایک پیغمبر تھے۔ اِن آیتوں سے آپ کی وفات ثابت کرنی چاہی ہے۔ سوم۔ وہ آیتیں جن میں نہ تو حضرت مسیح علیہ السّلام کی وفات کا خاص طور پر ذکر ہے اور نہ ضمن عموم میں۔ بلکہ مرزا صاحب نے صرف اپنے اختراع سے اُن سے تمسّک کیا ہے۔ اِن سب کا جواب حسب ترتیب تقسیم بیان کیا جاتا ہے۔ ناظرین دونوں کو بغور ملاحظہ کریں۔ اور انصاف کریں کہ موافق کتاب اللہ و مطابق بیان رسول اللہ صلعم کس کی دلیل ہے اور قرآن شریف کی صحیح مراد کو کون پہنچا ہے۔ فاقول بحول اللہ و قوتہ۔

قسم اول میں سے **پہلی آیت** یہ ہے۔ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ الآیۃ۔

(ترجمہ مندرجہ ازالہ مرزا صاحب) یعنی اے عیسیٰ میں تجھے **وفات** دینے والا ہوں۔ اور پھر **عزت** کے ساتھ اپنی طرف اٹھانیوالا اور کافروں کی تہمتوں سے پاک کرنیوالا ہوں

اور تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غلبہ دینے والا ہوں"۔ انتہٰی۔

مرزا صاحب کا یہ ترجمہ اور اس سے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی موت قبل النزول پر استدلال از روئے آیات قرآن شریف و لغت عرب کئی وجوہ سے بالکل **غلط** ہے۔

وجہ اوّل۔ اس آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے متعلق پہلے باب میں ص ۸ سے ص ۹۳ تک کافی تحریر ہو چکی ہے۔ اور جس میں بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ **توفی** کا اصل **وفا** ہے اور اسکے اصلی اور وضعی معنے اخذ الشئ وافیا یعنے کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا ہیں۔ اور **رفع** یعنے اوپر کو اٹھا لینا اور نیند اور موت اور تعدا اور وصولی قرض سب اسکی **انواع** ہیں اور یہ امر مسلم ہے کہ مختلف انواع میں سے ایک نوع معین کرنے کے لئے قرینے کا ہونا ضروری ہے پس جہاں **توفی** کے ساتھ موت اور اس کے لوازمات کا ذکر ہوگا۔ اس جگہ توفی سے مراد **موت** ہوگی اور جہاں نیند اور اس کے مقتضیات مذکور ہونگے۔ وہاں **نیند** مراد ہوگی جیسے **قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ** (الم سجدہ) یعنی اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ تم کو ملک الموت جو تم پر مقرر کیا گیا ہوا ہے **پورا پورا پکڑ لیگا** اور نیز آیت اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ **مَنَامِهَا** (زمر) یعنے اللہ (ہی) جانوں کو ان کی **موت** کے وقت **قبض کرتا** ہے۔ اور جنکی موت کا وقت ابھی نہیں آیا۔ ان کو انکی نیند میں قبض کرتا ہے) اور نیز آیت وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ (انعام) یعنے اللہ تو ایسا ہے جو تم کو رات کیوقت **قبض کر لیتا** ہے اور نیز شعر فلما توفاہ رسول الکری الخ۔ یعنی جب اس کو نیند کے ایلچی نے **پورا پورا پکڑ لیا**۔

ان مثالوں میں ملک الموت اور موت توفی سے موت مراد لینے کے قرینے ہیں۔ اور منام اور لیل اور کری (نیند) اس سے نیند مراد لینے کے۔ اسی طرح اس آیت مذکورہ زیر بحث میں اگر توفی کے متصل موت کا ذکر ہے تو اس سے مراد موت ہوگی اور اگر نیند کا ذکر ہے تو پھر نیند مراد ہوگی۔ اور اگر **رفع** یعنے اوپر اٹھانیکا ذکر ہے۔ تو پھر اس توفی سے مراد **رفع** یعنے اوپر کو اٹھانا ہوگی۔ پس چونکہ اس آیت میں توفی کے ساتھ سوائے رفع کے ذکر کے اور کچھ مذکور نہیں لہذا اس جگہ توفی سے سوائے رفع کے اور کچھ مراد نہیں ہوسکتے۔

جیسا کہ حصہ اول کے ص ۸۰ میں بحوالہ تفسیر کبیر گزر چکا ہے۔ کہ قول الٰہی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ

قوله - انی متوفیك یدل علی حصول التوفی وھو جنس تحتہ انواع بعضها بالموت وبعضها بالاصعاد الی السماء فلما قال بعده ورافعك الی کان ھذا تعیینا للنوع ولم یکن تکرارا (تفسیر کبیر جلد ۲)

صرف توفی کے حاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور توفی جنس ہے جسکی کئی انواع ہیں۔ بعض موت کے ساتھ اور بعض آسمان پر اُٹھائے جانے سے۔ پس جب اسکے بعد رافعك الی فرما دیا تو یہ تعیین نوع کے لئے قرینہ ہوا اور تکرار نہ ہوا"

مفسرین علیہم الرحمۃ کا اس امر پر اتفاق و اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے کی دلیل ہے۔

اس جگہ انواع توفی (رفع۔ موت۔ نیند) میں سے توفی کو خواہ کسی نوع میں معین کریں رفع جسمی ثابت ہی رہیگا۔ تفصیل اس اجمال کی اس طرح ہے کہ اگر توفی کو نوعِ موت میں معین کریں۔ تو بموجب مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ آیت میں تقدیم وتاخیر ہوگی۔ جیسا کہ پہلے باب ص۶ میں درمنثور سے گزر چکا ہے۔ کہ حضرت ابن عباس رافعك ثم متوفیك فی اٰخر الزمان (درمنثور) فرماتے ہیں کہ مَیں پہلے تجھے اوپر اُٹھا لونگا پھر بعد مدت کے دُنیا میں نازل کرکے) آخر زمانے میں مارونگا"

اور نیز تفسیر معالم میں ضحاک شاگرد حضرت ابن عباس سے اسکی تصریح موجود ہے۔ کہ

ان فی الاٰیۃ تقدیما وتاخیرا معناہ انی رافعك الی ومطھرك من الذین کفروا ومتوفیك بعد انزالك من السماء (تفسیر معالم)

"اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے اور معنی اسکے یہ ہیں کہ مَیں تجھ کو اپنی طرف اوپر اُٹھاؤنگا۔ اور کفار سے تجھے صاف بچا لونگا۔ اور پھر آسمان سے اُتارنے کے بعد مارونگا"

اور اگر اس آیت میں توفی کو اُسکی دوسری نوع نیند میں معین کیا جائے تو بھی اس سے عیسی علیہ السلام کی موت قبل النزول ثابت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ پھر آیت کے معنے یہ ہونگے "کہ اے عیسےٰ میں تجھ کو سُلا دونگا اور (اس نیند کی حالت میں) تجھ کو اپنی طرف اوپر اُٹھا لونگا۔ جیسا کہ تفسیر خازن۔ ابن کثیر۔ درمنثور۔ فتح البیان۔ معالم۔ کبیر وغیرہ میں ہے۔ کہ اس آیت کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ توفی سے مراد نیند ہے۔ جیسا کہ اس

(الثانی) المراد بالتوفی النوم ومنہ قولہ اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی

لم تمت فی منامها فجعل النوم وفاۃ کان عیسٰی قد نام فرفعہ اللہ وھو نائم لئلا یلحقہ خوف (تفسیر خازن)	آیت اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ الایۃ میں مستعمل ہے (پس اس سے یہ مراد ہوئی) کہ عیسٰے علیہ السّلام سو گئے تھے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو

سوتے ہوئے اوپر اُٹھایا۔ تاکہ آپ کو خوف لاحق نہ ہو"۔

(۳) اور اگر اس آیت میں توفی سے اسکی تیسری نوع رفع مراد لیجائے جو بالکل حق اور مطابق واقع ہے اور جو جمہور مفسرین کا قول ہے۔ تو اس سے رفع جسمی بالکل ظاہر ہے۔

غرض اس جگہ توفی کو اسکی انواع رفع۔ نیند۔ موت۔ میں سے جو قرآن مجید میں آچکی ہیں۔ جن نوع میں معین کیا جائے حضرت عیسے علیہ السّلام کا رفع جسمی ثابت ہی رہتا ہے۔ اور اس امر پر علمائے سلف وخلف مفسرین ومحدثین وفقہا ومجتہدین سب کا اتفاق واجماع ہے۔

دوسری وجہ۔ مرزا صاحب نے اس آیت میں واو کا ترجمہ پھر کیا ہے اس میں انہوں نے لغت۔ بلاغت۔ نحو واصول جملہ علوم کا خلاف کیا ہے۔ خواہ دیدہ دانستہ ہے خواہ غلطی وسہو سے۔ اس کی تفصیل حصہ اول کے صفحہ پر گزر چکی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ واؤ حرف عطف مطلق جمع کے لئے موضوع ہے۔ اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ چنانچہ کافیہ میں ہے۔ الواو للجمع المطلق لا ترتیب فیہا یعنی واؤ مطلق جمع کے لئے ہے۔ اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح دیگر کتب نحو میں ہے۔

امام فخر الدین رازی رح نے اس آیت کے ذیل میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ واؤ

ان الواو فی قولہ انی متوفیک ورافعک الی لا تفید الترتیب فالایۃ تدل علی انہ تعالیٰ یفعل بہ ھذہ الافعال فاما کیف یفعل ومتی یفعل فالامر فیہ موقوف علی الدلیل وقد ثبت بالدلیل انہ حی وورد الخبر عن النبی صلعم انہ سینزل ویقتل الدجال ثم انہ تعالیٰ یتوفاہ بعد ذلک (تفسیر کبیر جلد دوم)	ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی۔ یہ آیت صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسے علیہ السّلام کے ساتھ یہ یہ معاملات کریگا۔ مگر یہ بات کہ کس طرح کریگا اور کب کریگا؟ سو یہ دلیل پر موقوف ہے اور بیشک یہ بات دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ زندہ ہیں۔ اور اس بارے میں نبی صلعم سے حدیث بھی آچکی ہے کہ آپ ضرور اتریں گے

اور دجال کو قتل کرینگے اور پھر اسکے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ فوت کریگا"۔

تیسری وجہ - مرزا صاحب نے اس آیت میں رَافِعُكَ اِلَیَّ کا ترجمہ عزت کے ساتھ اپنی طرف اُٹھانیوالا ہوں کیا ہے - اور اس سے عزت کی موت مراد لی ہے - یہ بھی ان کی سخت غلطی ہے - اوّل اسلئے کہ اس آیت کے معنے میں **عزت** کا لفظ از خود بڑھا دیا ہے - حالانکہ قرآن شریف میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے - اور اگر مفہوم رفع سے سمجھ کر لکھا ہے تو بھی اس سے موت ثابت نہیں ہوتی - کیونکہ رفع جسمی اور اعزاز میں مخالفت نہیں - بلکہ یکجا جمع ہو سکتے ہیں - جیسے آیت ورفع ابویہ علی العرش میں ہے - یعنی "یوسف علیہ السّلام نے اپنے والدین کو (عزت کے ساتھ) تخت کے اوپر بٹھایا" پس اس آیت کے یہ معنے ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو عزت کے ساتھ آسمان پر اُٹھالیا - دیگر یہ کہ "عزت کے ساتھ اُٹھالینا" سے موت مراد لینی نہ تو لغت کی کسی کتاب سے ثابت ہے اور نہ محاورہ زبان اسکی تائید کرتا ہے - اور نہ قرآن شریف اسکی شہادت دیتا ہے - یہ صرف مرزا صاحب کی اپنی من گھڑت بات ہے حصہ اول صہ ۹۴ میں اس آیت کی تفسیر میں اسکی تفصیل گزر چکی ہے۔

چوتھی وجہ - مرزا صاحب نے مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے تہمت سے پاک کرنا مراد بتائی ہے - حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی برات تو بیشک مسلم و ثابت ہے مگر اس آیت میں اس تطہیر سے مراد یہ نہیں بلکہ کُفار کے مکروں سے پیغمبر برحق کو محفوظ و پاک رکھنا مراد ہے - اسکی تفصیل بھی حصہ اول کے صہ ۱۰۲ میں اس آیت کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اس بیان و تفصیل سے ثابت و روشن ہو گیا کہ مرزا صاحب نے اس آیت کے جو معنے کئے تھے - اور جو مراد بتائی تھی وہ باطل و غلط ہے - پس اس آیت سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی وفات قبل النزول ثابت نہ ہوئی۔

قسم اول میں سے دوسری آیت - وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (مائدہ رکوع اخیر) **حصہ اول** میں صہ ۷۱ سے صہ ۱۱۰ تک آیت انی متوفیک ورافعک الی اور آیت بل رفعہ اللہ الیہ کی تفسیر میں امور مندرجہ ذیل بڑے بسط اور تفصیل کے ساتھ محقق طور پر بیان ہو چکے ہیں۔

(۱) توفی کے حقیقی اور وضعی معنے موت نہیں بلکہ اسکے معنے اخذ الشیٔ وافیا یعنے

کسی چیز کو پورا پورا قبض کر لینا اور لے لینا ہیں۔

(۲) چونکہ اس "پورا پورا لے لینے" کی کئی کیفیتیں اور نوعیں ہیں اسلئے توفی کو ایک نوع میں معین کرنے کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔

(۳) آیات رَافِعُكَ اِلَيَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ قطعی طور پر عیسے علیہ السّلام کے رفع جسمی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور نیز یہ کہ رفع الی اللہ اور رفع الی السماء کے ایک ہی معنے ہیں جیساکہ آیت اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ سے ثابت ہے

پس قرآن شریف میں جو توفی حضرت عیسے علیہ السّلام کے حق میں وارد ہے۔ اُس کو اسکی نوع رفع میں معین کرنے کے لئے رَافِعُكَ اِلَيَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ صریح قرینے ہیں۔

پس جب ثابت ہو چکا کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی توفی رفع آسمانی سے ہوئی تو اب آیت زیر بحث یعنے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں بھی توفی سے مراد رفع آسمانی ہی ہے۔ نہ کچھ اور۔ کیونکہ یہ اسی وعدہ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کے تحقق وقوع کی حکایت ہے

منصف مزاج ہوشمندوں کے لئے تو اتنا بیان ہی کافی ہے مگر کمزور طبیعت کو سمجھانے اور کجرو مخالف پر حجت پوری کرنے کے لئے اس کی خوب بسط سے تفصیل کی جاتی ہے سو واضح ہو کہ مرزا صاحب کا یہ قول ہے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے (معاذ اللہ اہانتِ صلیب کے بعد (جو وجاہت کے بالکل منافی ہے) کشمیر کی طرف ہجرت کی اور یہاں ستاسی سال زندہ رہکر فوت ہو گئے اور شہر سرینگر کے محلہ خان یار میں دفن کئے گئے جہاں ابھی تک اُن کی قبر شہزادہ یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔[۱] اس بیان سے مرزا صاحب نے اپنے پاؤں آپ کلہاڑا مارا۔ اور اپنے برخلاف حجت پوری کرائی

اس اجمال کا بیان اسطرح ہے کہ یہ کلمہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ سوال اٰاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ کے جواب میں واقع ہے۔ پس اس جگہ توفی سے مراد موت نہیں لے سکتے۔ کیونکہ آپ علیہ السّلام کو اہل کشمیر نے خدا اور خدا کا بیٹا قرار نہیں دیا۔ بلکہ اہل شام اور اُسکے قرب وجوار کے لوگوں نے۔ پس بموجب قول مرزا صاحب اہل شام (جنہوں نے حضرت عیسے علیہ السّلام کو خدا کے سوائے معبود جانا) کی خبر حضرت عیسے علیہ السّلام سے آپ کی وفات سے ستائیسی سال پیشتر منقطع ہو چکی تھی اور اس عرصہ ستاسی سال کی حیات (مزعومہ مرزا صاحب) میں آپ علیہ السّلام کو اہل شام کے عقائد باطلہ کی کوئی خبر

نہیں کہ پیچھے اُنہوں نے کیا بنالیا۔ پس سوال انت قلت للناس کے جواب میں عذرِ موت صحیح نہیں۔ بلکہ ہجرت کشمیر کا عذر کرنا چاہئے جب اس صورت میں ایک خدا تعالیٰ کے سکھائے ہوئے پیغمبر برحق کے جواب میں قدح وضعف واقع ہوتا ہے تو بالضرور معلوم ہوا کہ اس جگہ توفی سے مراد موت نہیں اور چونکہ حضرت مسیح علیہ السّلام کا بوجہ آسمان پر اُٹھائے جانے کے نصاریٰ کے باطل اعتقادوں سے بیخبر ہو جانا ایک صحیح عذر اور باصواب جواب ہے اور یہ ثابت بھی ہو چکا ہے کہ عیسےٰ علیہ السّلام کی توفی آسمان پر اُٹھائے جانے سے ہوئی تو اب توفیتنی کے معنے **رفعتنی** ہونگے۔ یعنی آیت کے معنے یہ ہونگے۔ کہ اَے الٰہی جب تو نے مجھے آسمان پر اُٹھالیا تو اس عرصۂ مرفوعیت میں مجھے اُن کے عقائد کی کچھ خبر نہیں تھی۔ جملہ تفاسیر معتبرہ میں اس مقام پر توفیتنی سے مراد رفعتنی لکھا ہے۔ اس سے کسی کو خلاف نہیں۔ ہم بہت خوشی سے قبول کرینگے۔ اگر مرزا صاحب کسی صحابی سے توفیتنی سے سوائے رفعتنی کے کچھ اور مراد نقل کر کے دکھائینگے اب ذیل میں چند معتبر تفاسیر کی عبارتیں نقل کی جاتی ہیں جن میں توفیتنی کے معنے جو اس آیت میں ہے رفعتنی لکھے ہیں۔

(۱) (فلما توفیتنی) بالرفع الی السماء کما فی قولہ تعالیٰ اِنی متوفیک ورافعک الی فان التوفی اخذ الشئ وافیا والموت نوع منہ قال تعالیٰ اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا انتہے (تفسیر علامہ ابی السعود) یہی عبارت تفسیر بیضاوی وسراج منیر میں ہے۔ (۲) فلما توفیتنی) بالرفع الی السماء والتوفی اخذ الشئ وافیاً (تفسیر جامع البیان) (۳) (فلما توفیتنی) اراد اعلاءہ مصاعد السماء انتہے (تفسیر فیضی) (۴) (فلما توفیتنی) یعنے فلما رفعتنی الی السماء فالمراد بہ وفاۃ الرفع لا الموت ۔ (تفسیر خازن) (۵) (فلما توفیتنی) والمراد منہ وفاۃ الرفع الی السماء من قولہ انی متوفیک ورافعک ایے ۱۲ (تفسیر کبیر) (۶) (فلما توفیتنی) قبضتنی ورفعتنی الیک (تفسیر معالم)

اِن سب عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں توفی سے مراد آسمان کی طرف اُٹھا لینا ہے۔ موت نہیں کیونکہ توفی کے معنے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا ہے۔ اور موت اس کی نوع ہے۔ اور چونکہ آیت انی متوفیک ورافعک الی سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ

کہ عیسٰے علیہ السّلام کی توفی سے مراد اُن کا آسمان پر اُٹھایا جانا ہے۔ تو اب اس آیت کے معنے بھی وہی ہونگے۔ اگر یہ **سوال** کیا جائے کہ جب عیسے علیہ السّلام بموجب عقیدہ اہل سنت دوسری دفعہ نزول فرما ہونگے تو نصاریٰ کے افتراؤں اور بُرے اعتقادوں سے باخبر ہو جائینگے اور اہل سنت کے نزدیک یہ سوال و جواب بھی قیامت کو ہونگے تو پھر اس صورت میں قول کنتُ علیھم شھیداً مادمتُ فیھم سے عدم اطلاع کا عذر صحیح نہیں رہے لہذا ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح علیہ السّلام دوبارہ دُنیا میں نہیں آئینگے۔ اور نیز یہ کہ یہ سوال و جواب قیامت کو نہیں ہوگا۔ بلکہ عالم برزخ میں ہو چکا ہے۔ اور عیسٰے علیہ السّلام اپنی وفات کا اقرار کر چکے ہیں تو اسکا **جواب** یہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے لئے نصاریٰ وغیرہ بندوں کے اقوال و افعال پر مطلع ہونے کے دو موقع ہیں اور دونوں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ اوّل آسمان پر اُٹھائے جانے سے پیشتر تبلیغ رسالت کیوقت۔ دوم آسمان سے نازل ہونے کے بعد اور یہ امر ظاہر و مسلم ہے کہ نصاریٰ کے اعتقاد اِن دونوں زمانوں کی درمیانی مدت میں بگڑے ہوئے ہیں۔ سو آپ کا قول وکنتُ علیھم شھیداً مادمتُ فیھم یعنے یا الٰہی جب تک میں اُن میں رہا اُنکے اقوال و افعال کو دیکھتا سنتا رہا۔ **ان دونوں زمانوں پر شامل ہے**۔ اور فلما توفیتنی کنتَ انت الرقیبَ علیھم (یعنے جب مجھے تو نے آسمان پر اُٹھالیا تو پھر تو ہی ان کا نگہبان رہا۔ یعنے اس عرصہ کی بابت مجھے کچھ علم نہیں) سے درمیانی زمانہ یعنے پہلی اور دوسری بار کی درمیانی مدّت رفع میں نصاریٰ کے اقوال و افعال سے واقف نہونیکا اظہار مقصود ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی حیات اور نزول ثانی اور اُس کے بعد قیامت کو یہود و نصاریٰ پر آپ کی شہادت کے لئے یہ آیت قرآن شریف موجود ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا (پارہ ششم رکوع ۲)	"اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں ہوگا۔ مگر حضرت عیسٰے علیہ السّلام پر آپ کی موت سے پیشتر ایمان لے آویگا۔ اور آپ قیامت کے دن اُن پر شاہد ہونگے"۔

صحیح بخاری باب نزول عیسے بن مریم صلے اللہ علیہ وسلم میں اسی آیت کو دلیلِ نزول ثانی ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث یہ ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْ هُرَیْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَکُوْنُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا

(صحیح بخاری جلد ۲)

"فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قسم ہے اللہ تعالےٰ کی جسکے قبضہ میں میری جان ہی وہ وقت قریب آتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم تم میں ضرور ضرور اُترینگے۔ فیصلہ کرنیوالے ہوکر منصف ہوکر۔ پس **صلیب** کو توڑ دینگے اور خنزیروں کو قتل کرائینگے۔ اور جزیہ موقوف کر دینگے۔ اور مال و دولت اس کثرت سے ہوجائیگی کہ اُس کو کوئی قبول بھی نہ کریگا۔ حتی کہ ایک سجدہ دنیا اور اُس کی سب چیزوں سے بہتر خیال کیا جائیگا۔ پھر ابوہریرہ رض کہتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو (اس حدیث کی تصدیق کے لئے) یہ آیت پڑھ لو۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اس آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ کو نزول عیسےٰ علیہ السّلام سے بدیں وجہ تعلق ہے کہ آیت وَ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ (یعنے میں اُن کے اعمال و اقوال کو دیکھتا سنتا رہا جب تک اُن کے بیچ رہا) سے صاف ثابت ہی کہ شاہد کا اس جماعت میں ہونا ضروری ہے جسپر اُس نے

لہ **قولہ** فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ ۔ ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا کہ حضرت ابوہریرہ رض نے جو حدیث روایت کی ہے۔ اُس کے مضمون کی تصدیق کے لئے وہ آیت قرآنی پیش کرتے ہیں اس سے صاف ثابت ہوا کہ **مسیح موعود** وہی ہے جسکا ذکر اس آیت میں ہے۔ نہ کوئی دیگر مثیل پس چونکہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نبی اللہ کا ذکر ہے اسلئے مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ہوسکتے۔

مرزا صاحب! حضرت ابوہریرہ رض کے اس استدلال کے قبول کرنیمیں دو عذر پیش کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت ابوہریرہ کا اپنا فہم ہے اور صحابی کا فہم حجت نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ حضرت ابوہریرہ ان شئتم کہتے ہیں اور کلمہ اِنْ شرطیہ شک کے لئے ہوتا ہے۔

عذر اوّل کا **جواب** یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رض کا اس حدیث کی تصدیق کے لئے اس آیت کو پیش کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو آنحضرت ص سے سُنکر کہا ہے اور یا اپنے فہم و اجتہاد سے

شہادت دینی ہو۔ پس جب آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَ

پہلی صورت میں تو مرزا صاحب کو انکار کی مجال نہیں۔ ہاں دوسری صورت میں وہ کچھ گنجائش سمجھتے ہیں۔ سو اس کا بیان اس طرح ہے کہ قرآن شریف میں سے حدیث نبوی ؐ کا ماخذ بیان کرنا اور اُن میں آپس میں تطبیق و توفیق دینا ایک موہوبی اور خداداد ملکہ ہے جو عارفان کتاب اللہ و واقفانِ حدیث رسول اللہ صلعم سے مخفی نہیں۔ اور علم دینی کا کمال اور طبیعت کی ذہانت اسی وصف سے ہے۔ چنانچہ امام ابن قیم جو اسی مذاق کے ہیں اپنی کتاب زاد المعاد میں فرماتے ہیں "اور رسول اللہ صلعم کے اصحاب اس امر کے بہت حریص تھے۔ کہ رسول اللہ صلعم کی احادیث کا قرآن شریف سے استنباط کیا کریں۔ اور جو کوئی اس کو لازم پکڑے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ کرے اور فطرت سلیمہ اور پاکیزہ دل کو اسکی تلاش میں لگائے۔ تو جان لیگا کہ سنت نبویہ صلعم ساری کی ساری قرآن کی تفصیل ہے۔ اور اُسکے معنی اور مرادوں کا بیان ہے۔ یہ امر علم کے مراتب میں سے اعلیٰ مرتبہ کا ہے۔ پس جو اس سے کامیاب ہو اُسے چاہئے کہ خدا کا شکر کرے اور جسے ہاتھ نہ لگے وہ اپنے نفس اور ہمت اور کمزوری کے سوائے کسی اور کو ملامت نہ کرے"۔

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَحْرَصَ شَيْءٍ عَلٰى اسْتِنْبَاطِ اَحَادِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّعَمَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَلْزَمَ نَفْسَهٗ ذٰلِكَ وَ فَرَعَ بَابَهٗ وَجَّهَ قَلْبَهٗ اِلَيْهِ وَاعْتَنٰى بِهٖ بِفِطْرَةٍ سَلِيْمَةٍ وَقَلْبٍ زَكِيٍّ رَاَى السُّنَّةَ كُلَّهَا تَفْصِيْلًا لِلْقُرْاٰنِ وَتَبْيِيْنًا لَهٗ وَبَيَانًا لِمُرَادِ اللّٰهِ مِنْهُ وَهٰذَا اَعْلٰى مَرَاتِبِ الْعِلْمِ فَمَنْ ظَفِرَ بِهٖ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ فَاتَهٗ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَهِمَّتَهٗ وَعَجْزَهٗ (زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۱۷۵)

واقفان حدیث نبوی ؐ پر مخفی نہیں کہ آنحضرت ؐ بسا اوقات کوئی مسئلہ بیان فرما کر اُسکے موافق قرآن شریف کی آیت پڑھ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ رضؓ کی بھی عادت تھی۔ کہ اس حدیث کو مع اس آیت کے حوالہ کے روایت کیا کرتے تھے۔ اور یہ بات چنداں نظر کی محتاج نہیں۔ کیونکہ یہ امر کہ نبی صلعم کسی مسئلہ کی تصدیق کے لئے آیت قرآنی پڑھا کرتے تھے تب ہی معلوم ہوا کہ صحابہ رضؓ نے ویسی کی ویسی حدیث روایت کی۔ فافہم۔

اسی طرح ماہرینِ حدیث پر یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ جس طرح روایت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا | (یعنے نہیں ہوگا کوئی اہل کتاب میں سے مگر ایمان

کے رو سے سب سے اول نمبر پر ہیں۔ اسی طرح اس وصف یعنے تصدیق حدیث کیلئے آیت کے بیان کرنیمیں بھی آپ ایک خاص مذاق رکھتے تھے۔ آپ کی روایات میں اکثر جگہ قرآن شریف کی آیت سے استدلال کرنا پایا جاتا ہے کسی جگہ تو اس آیت کا حوالہ رسول اللہ صلعم کی طرف نسبت کردیتے ہیں۔ اور کسی جگہ آیت کے حوالہ پر بس کرتے ہیں۔ اور اُسے رسول اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے ان دونوں طریقوں پر غور و فکر کرنے سے ایک سوچنے والا ہوشمند آدمی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جس طرح حضرت ابوہریرہ رض حدیث کو خاص پیغمبر صلعم سے بالمشافہ روایت کرتے ہیں اسی طرح آیت کا حوالہ بھی نبی صلعم کی زبان مبارک سے روایت کرتے ہیں۔ چاہے اسکی تصریح کردیں چاہے نہ کریں۔ کیونکہ غیر مصرح بھی اسی کے قریب ہے۔ کہ اُنہوں نے نبی صلعم سے سُنکر کہا۔ کیونکہ صحابہ رض بغیر نبی صلعم سے سُننے کے کچھ بات اپنی طرف سے کرنے سے بہت پرہیز کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ کُتب حدیث کے مطالعہ کرنیوالوں پر واضح ہے خصوصاً ایسے امور میں جنمیں رائے محض اور اجتہاد و قیاس کو دخل نہیں۔ مثلاً پیشینگوئی وغیرہ اِن میں تو صحابی کا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس اس حدیث نزول عیسےٰ بن مریم علیہما السّلام کی تصدیق کے لئے حضرت ابوہریرہ رض کا آیت قرآن وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ سے استدلال کرنا علاوہ بہت باریک نکتہ ہونے کے نبی صلعم کے پاک ارشاد سے باہر نہیں۔

اب ذیل میں چند احادیث بطور نمونہ ذکر کیجاتی ہیں۔ جنسے ثابت ہوگا کہ تصدیق حدیث کے لئے آیت قرآنی کا حوالہ دینا حضرت ابوہریرہ رض کے خاص مذاق میں سے تھا۔ اور نیز یہ کہ حضرت ابوہریرہ رض کسی حدیث میں اس حوالہ آیت کو نبی صلعم کی طرف منسوب کردیتے ہیں اور کبھی صرف حوالے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

حدیث اوّل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا فَاِذَا طَلَعَتْ وَرَاٰهَا النَّاسُ اٰمَنَ مَنْ عَلَيْهَا

"حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک آفتاب مغرب سے نہ چڑھے۔ پس جب چڑھیگا۔ اور لوگ اُس کو دیکھ لینگے تو

لے آویگا عیسےٰؑ پر پیشتر حضرت عیسےٰؑ کی موت کے اور حضرت عیسیٰؑ قیامت کے دن اُن پر

فَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا (مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۲)

"سب لوگ ایمان لائینگے۔ پس یہ وہ وقت ہوگا کہ اُس نفس کو اس کا ایمان نفع نہیں دیگا جو پہلے ایمان نہ لایا تھا۔ یا جسنے اپنے ایمان میں نیکی نہ کی تھی۔"

حدیث دوم

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم مَا مِنْ مُؤْمِنٍ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا نَخَسَهُ الشَّيْطٰنُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ نَخْسَةِ الشَّيْطَانِ اِلَّا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهُ ثُمَّ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ رض اقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۳۳)

"حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان پیدائش کیوقت اسکو ایذا دیتا ہے پس وہ چیختا ہے۔ مگر ابن مریمؑ اور اسکی ماں کو شیطان یہ چھوت کی ایذا نہیں دے سکا۔" پھر حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے کہا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ انی اعیذھا بک الایہ۔

حدیث سوم

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ فِي الْجَمِيْعِ عَلٰى صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ وَتَجْتَمِعُ مَلٰٓئِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلٰٓئِكَةُ النَّهَارِ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا

(مسند امام احمد) جلد ۲ ص ۲۳۳۔

"حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ باجماعت نماز اکیلے شخص کی نماز سے پچیس درجے بڑھکر ہے اور فجر کی نماز میں دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں اگر چاہو تو قرآن شریف کی یہ آیت پڑھ لو وقران الفجر الایہ۔"

حدیث چہارم

فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ رَوَاهُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْحُمُرِ فَقَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ فِيْهَا اِلَّا الْاٰيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلعم سے گدھے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ مجھپر اسکے بارے میں

شاہد ہونگے۔) سے ان اہل کتاب پر جو زمانہ اخیر میں ہونگے۔ اور حضرت عیسٰےؑ پر سچا ایمان

مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۶۲)

"کوئی خاص حکم نازل نہیں ہوا مگر یہی ایک جامع آیت فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ الایۃ۔"

حدیث پنجم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهٖ قَالَتِ الرَّحِمُ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِیْعَةِ قَالَ نَعَمْ اَمَا تَرْضَیْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰی یَا رَبِّ قَالَ فَهُوَ لَكِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ (صحیح بخاری کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (مثالی طور پر) فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر لیا تو رحم (رشتے داروں کے ساتھ پیوند رکھنے کا علاقہ) نے کہا کہ الٰہی یہ تیرے ساتھ رشتہ قطع کرنیوالوں سے پناہ مانگنے والا حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اسپر راضی نہیں۔ کہ میں اپنی رضا اسپر رکھوں جو تیرے پیوند کو قائم رکھے۔ اور جو تجھے قطع کرے میں بھی اس سے قطع کردوں۔ کہا ہاں اے میرے رب۔ فرمایا۔ پس یہ ہو چکا۔ پھر رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر چاہو تو (آیت قرآنی) پڑھ لو۔ فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ الآیہ۔"

ناظرین خود غور فرمالیں کہ ان احادیث سے وہ سب امور جو ہمنے اوپر بیان کئے ہیں ثابت ہوتے ہیں یا نہیں ÷ باقی رہا **دوسرا عذر** یعنے کلمہ اِنْ شرطیہ شک کیلئے آتا ہے۔ لہٰذا یہ استدلال شکی ہے۔ سو اس کا **جواب** یہ ہے کہ اگر حضرت ابوہریرہ رضؓ کے کلمہ اِنْ شِئْتُمْ کہنے سے اس استدلال کو شک کی طرف نسبت کر سکتے ہیں۔ تو یہی کلمہ اِنْ شِئْتُمْ اسی طرح تصدیق حدیث کے لئے آیت قرآنی کا حوالہ دیتے وقت خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے۔ جیساکہ صحیح بخاری کی روایت سے اوپر کی حدیثوں میں سے پانچویں حدیث صلہ رحم میں گزر چکا ہے۔ پس اس نظر سے تو معاذاللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ناطق بالوحی کے استدلال کو بھی شک کی طرف نسبت کرسکنا منع نہوگا وھل ھذہ

لے آوینگے۔ بروز قیامت عیسےٰ علیہ السّلام کی شہادت سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اخیر زمانہ کے لوگوں میں آوینگے۔ فالحمد للہ علےٰ ھذا التوفیق۔ انشاء اللہ اس آیت کی پوری تفسیر باب نزول المسیح میں کیجائیگی÷

اب اس سوال کی دوسری شق یعنے اللہ تعالےٰ کی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو سوال انت قلت للناس قیامت کے روز کہنے کی مزید تفصیل کیجاتی ہے۔

اوّل۔ اذ اور اذا دو کلمے ظروف زمانیہ میں سے ہیں۔ اذ ماضی کے لئے آتا ہے۔ اور کبھی بمعنے مستقبل بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جیساکہ اذا مستقبل کے لئے اور کبھی ماضی کے لئے بھی آتا ہے۔ چنانچہ مغنی میں بحث اِذَا میں لکھا ہے۔ اَحَدُھُمَا اَنْ تَجِیْئَ لِلْمَاضِیْ کَمَا تَجِیْئُ اِذْ لِلْمُسْتَقْبِلِ مثال اِذَا بمعنے اِذْ آیت وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَ نِ انْفَضُّوْا اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَائِمًا (جمعہ) (ترجمہ) اور جسوقت اُنہوں نے تجارت یا کھیل کا سامان دیکھا تو اُس کی طرف اُٹھ گئے اور تجھے کھڑے چھوڑ دیا۔ اور نیز آیت حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْھِمْ اَنْفُسُھُمْ (توبہ) (ترجمہ) حتی کہ جسوقت اُنپر زمین باوجود فراخ ہونیکے تنگ ہو گئی اور اُن کی جانیں بھی اُنکو گراں معلوم ہوئیں۔ مثال اذ بمعنے اذا یعنے مستقبل آیت فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلَالُ فِیْ اَعْنَاقِھِمْ (مومن) پس یہ لوگ اُسوقت ضرور جان لینگے

اِلَّا جَرَّۃً عظیمۃ وفریۃ فخیمۃ۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے موقع پر کلمہ اِنْ شِئْتُمْ اسبات کے لئے نہیں ہوتا کہ متکلم کو اپنے کلام کی تصدیق میں شک و تردد ہے بلکہ مخاطبین کے حال کی نسبت یہ خیال کر کے کہ وہ زیادہ علم اور دلیل کے طالب ہیں انکی مزید اطمینان کیلئے آیت قرآنی کو پیش کیا گیا ہے جیساکہ حضرت ابراہیمؑ کے سوال میں وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ یعنے یا الٰہی اسلئے نہیں پوچھتا کہ مجھے مردوں کے زندہ ہو جانے میں کچھ شک ہے نہیں زیادۂ اطمینان اور تسلی دل کے لئے پوچھتا ہوں÷ اور جو لوگ علوم میں گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ اور مذاق صحیح اور فطرت سلیم والے ہیں وہ اس مسئلہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ اور اس سے لطف اُٹھاتے ہیں لیکن جن لوگوں کی فطرت کی سلامتی اپنے حال پر نہیں رہی۔ اور کجروی اور تعصب سے اُن کا مذاق صحیح جاتا رہا ہے انکی سمجھ میں نہ آنے سے یہ بات غلط نہیں ہو سکتی ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ ۔ ۱۲۔ المصنف

جب اُن کی گردنوں میں طوق پڑینگے۔ کیونکہ سوف جو خاص استقبال کیلئے موضوع ہے قرینہ موجود ہے۔

مثال دوم ۔ اِذْ مَا دَخَلْتَ عَلَى الرَّسُوْلِ فَقُلْ لَهٗ۔ حَقًّا عَلَيْكَ اِذَا اطْمَاَنَّ الْمَجْلِسُ (مفصل زمخشری) کیونکہ صیغہ امر اسبات کا قرینہ موجود ہے کہ اذ بمعنے اذا ہے۔

مثال سوم ۔ ثُمَّ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِّيْ اِذْ جَزٰى۔ جَنّٰتِ عَدْنٍ فِي السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى "جب خدا تعالیٰ جزا دینے لگے تو تجھ کو میری طرف سے اونچے آسمانوں میں ہمیشہ کی جنتیں عطا کرے"۔ اس جگہ بھی اذ بمعنے اذا استعمل ہوا ہے۔ بقرینہ جنّٰتِ عدنٍ کیونکہ یہ سب قیامت کو ہوگا۔ اور قیامت زمان مستقبل میں ہوگی۔ نہ کہ ماضی میں ہو چکی ہے (تفسیر خازن وقسطلانی شرح صحیح بخاری)

اسی طرح قرآن وحدیث وکتب ادب میں اسکی بہت مثالیں ہیں کہ اذ بمعنے اذا استعمل ہوتا ہے۔ اور اذا بمعنے اذ۔ کتب نحو بھی اس کی تائید سے بھری پڑی ہیں۔ طالب تفصیل **شرح ملا جامی۔ رضی شرح کافیہ۔ تکملہ** مولنا و فخرنا مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی کا مطالعہ کرے۔

وجہ دوم ۔ مضمون آیت وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عطف ہے مضمون آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ الآیہ پر۔ اور اس سے پہلے جہاں سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے یہ ہے يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ یعنے جس دن اللہ تعالیٰ کل رسولوں کو جمع کریگا اور اُن سے پوچھیگا کہ لوگوں نے تم کو کیسے قبول کیا اور کیا کچھ کہا تو وہ کہینگے کہ الٰہی (ہم کو لوگوں کی نیتوں کی حقیقت اور انکے دلوں کے رازوں کا) کوئی علم نہیں۔ ہر بات کی حقیقت و راز سے واقف ہونا تیرا ہی خاصہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ عیسےٰ علیہ السلام کو خاص طور پر خطاب کر کے کہیگا کہ اے مریم کے بیٹے عیسےٰ میری وہ خاص نعمتیں یاد کر جو مینے تجھپر اور تیری والدہ پر انعام کیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ سب نعمتیں ذکر کی ہیں اور نعمتوں کے ذکر کے بعد اصل مقصود کا بیان فرمایا۔ کہ اے مریم کے بیٹے عیسےٰ کیا لوگوں کو تونے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوائے معبود مقرر کر لو۔

اب یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ سے تو صاف معلوم ہوگیا کہ یہ سارا معاملہ اُس دن ہوگا جسدن اللہ تعالیٰ کل رسولوں کو جمع کریگا۔ اور وہ دن سوائے **قیامت** کے اور کونسا دن ہوسکتا ہے۔ اِسکے نظایر قرآن شریف میں بکثرت ہیں۔ مثلاً فَلَنَسۡئَلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡہِمۡ وَلَنَسۡئَلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ (اعراف) یعنی جن لوگوں کی طرف ہمنے رسول بھیجے ہیں اُنکو اور خود رسولوں کو بھی ہم ضرور ضرور پوچھیں گے۔ **اور** یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ (بنی اسرائیل) یعنی جسدن ہم کل لوگوں کو اُنکے امام (نبی وقت) سمیت بلائینگے **اور** وَیَوۡمَ یَحۡشُرُہُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ ہٰۤؤُلَآءِ اَمۡ ہُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ (فرقان) یعنی جسدن اللہ تعالیٰ اِن مشرکین کو اور جنکی وہ اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہیں اِن سب کو جمع کریگا۔ تو اُن سے کہیگا کہ کیا تمنے اِن میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا۔ یا وہ خود گمراہ ہوگئے تھے۔ **اور**۔ وَیَوۡمَ یَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اَہٰۤؤُلَآءِ اِیَّاکُمۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ (سبا) یعنی جسدن اللہ تعالیٰ اِن مشرکین کو جمع کریگا تو فرشتوں سے مخاطب ہوکر کہیگا۔ کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

یہہ سب آیتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوائے معبود بنائے گئے ہیں اُن کو یہ سوال **قیامت** کو پوچھا جائیگا۔ اور اُسدن پیغمبروں کو بھی تبلیغ اور لوگوں کی قبولیت کی بابت پوچھا جائیگا۔ تو چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بھی پیغمبر برحق ہیں اور نیز اللہ تعالیٰ کے سوائے معبود بھی مانے گئے ہیں اِسلئے ان کو یہ سوال بروز قیامت ہوگا۔ نہ کہ اس سے پہلے ہوچکا ہے۔ دیگر یہہ کہ اس سلسلے مذکور کے بعد ھٰذَا یَوۡمُ یَنۡفَعُ الصّٰدِقِیۡنَ صِدۡقُہُمۡ موجود ہے یعنی یہ وہ دن ہے جس دن صادقوں کو ان کا صدق نفع پہنچائیگا اور یہ بھی **قیامت** ہی کا روز ہے۔

لوگوں اور رسولوں سے یہ سوال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ رسول وقت کے سامنے اسکی امت پر تبلیغ رسالت ثابت کی جاکر اُن پر حجت پوری کیجائے تاکہ عذاب میں گرفتار ہونیکی صورت میں کوئی عذر نہ کرسکیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بطور استفہام کے سوال کرنے سے پاک ہے۔ **بس اسی طرح** نصاریٰ کے سامنے عیسےٰ علیہ السّلام کو یہ سوال کرنا کہ کیا تونے اُن کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوائے معبود مان لو۔ اس میں بھی یہی حکمت ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السّلام اُن کے روبروئے تبلیغ رسالت اور تعلیم توحید کی ہدایت

ویویں اور نصارے مشرکین پر الزام قایم ہوکر حجت پوری کیجائے پس ضروری ہے کہ عیسٰے علیہ السلام اور اُن کی اُمت دونوں حاضر ہوں۔ اور یہ حاضری و سوال وجواب قیامت ہی پہلے نہیں ہو سکتے۔ کیا (معاذاللہ) رسول برحق حضرت مسیح علیہ السلام بری از الزام کو شرمندہ کرنا مقصود ہے۔ کہ اُن کی اُمت کی غیر حاضری میں عالم برزخ میں سوال کیا جائے؟ پس ان سب اگلے اور پچھلے قرائن اور دلائل سے صاف روشن ہوگیا کہ یہ سوال قیامت کو ہوگا اور سب سے بڑھکر آیت سورہ نسا۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا یعنے عیسٰے علیہ السلام قیامت کے دن ان (اہل کتاب) پر شاہد ہونگے۔ تصریح روز قیامت ہی ایسی عیاں ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ اس سے زیادہ صراحت کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ یوم القیمۃ کا لفظ فرمادیوے۔ سُبحان ربنا۔ ربنا امنا

وجہ سوم اس سوال کے قیامت کو ہونیکی۔ **صحیح بخاری** کتاب التفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ میں قال بمعنے یقول ہے۔ یعنی بمعنے مستقبل ہے۔ اور جمہور مفسرین نے بھی اسی امر کو تحقیق کیا ہے۔ مثلاً تفسیر خازن تفسیر سراج منیر وغیرہ وغیرہ۔ اور شارحین صحیح بخاری مثلاً حافظ ابن حجر رح اور علامہ قسطلانی رح اور علامہ عینی حنفی نے بھی اُسی کو اختیار کیا ہے۔ بلکہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں ایک مرفوع حدیث بھی لکھی ہے ÷ کہ جب قیامت کا دن

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیمۃ دعی بالانبیاء وامممہم ثم یدعی بعیسے بن مریم فیذکرہ اللہ نعمتہ علیہ فیقربہا فیقول یعیسے بن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والدتك الایۃ ثم یقول ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین من دون اللہ فینکر ان یکون قال ذلک الحدیث (ابن کثیر)

ہوگا۔ کل نبیوں اور اُن کی اُمتوں کو بلایا جائیگا پھر خاص طور پر عیسٰے علیہ السلام کو پکارا جائیگا پس اللہ تعالیٰ وہ نعمتیں جو اُس نے اُن پر کی ہیں اُن کو یاد کرائیگا۔ اور عیسے علیہ السلام ان سب کا اقرار کرینگے۔ اللہ تعالیٰ کہیگا۔ اے عیسٰے بن مریم میری وہ نعمتیں یاد کرو جو مینے تجھ پہ اور تیری ماں مریم پر انعام کیں۔۔۔ پھر اللہ تعالے فرمائیگا کہ کیا تونے لوگوں کو کہا تھا۔ کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کے سوائے دو معبود مان لو۔ پس عیسٰے ؑ اسبات کے کہنے سے انکار کرینگے"

پس جب خود اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ کی تصریح کردے اور اُسکا رسول بھی فرمادے اور علما بھی اسی کی تحقیق کریں اور کتب نحو اور آیات قرآنی اور محاورات زبان بھی اِذ کے بمعنے مستقبل ہونیکی شہادت دیں۔ تو اب اسکا انکار سوائے ضلالت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

فماذا بعد الحق الا الضلال

سوال۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم روز قیامت کے ذکر میں فرماتے ہیں۔ کہ میری اُمت کے کچھ لوگوں کو دائیں بائیں سے پکڑا جائیگا۔ تو میں کہونگا ہیں! یہ تو میری اُمت کے لوگ ہیں تو مجھے کہا جائیگا کہ نہیں یہ وہ ہیں جو جب سے تو ان سے جدا ہوا (یعنے فوت ہوا) یہ دین سے برگشتہ ہوکر (موت تک) مرتد ہی رہے ہے تو میں کہونگا جس طرح کہا ہوگا عبد صالح عیسےٰ علیہ السلام بن مریم نے کہ الٰہی میں تو اُنپر شاہد اُسوقت تک رہا جب تک میں اُن کے بیچ موجود رہا۔ پس جب تونے مجھے بھر لیا تو صرف تو ہی اُنپر نگہبان تھا۔

> یوخذ برجال من اصحابی ذات الیمین وذات الشمال فاقول اصحابی فیقال انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم منذ فارقتھم فاقول کما قال العبد الصالح عیسی ابن مریم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم الآیہ (صحیح بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام سے یہ سوال وجواب ہو چکا ہوا ہے کیونکہ الفاظ حدیث یہ ہیں فاقول کما قال اور قال فعل ماضی ہے۔ اور نیز اس حدیث سے یہ حاصل ہوا۔ کہ عیسےٰ علیہ السلام کی توفی موت سے ہوئی۔ کیونکہ جو الفاظ یعنے فلما توفیتنی عیسی علیہ السلام سے منقول ہیں وہی نبی صلعم کہینگے۔ اور معلوم ہے کہ نبی صلعم کی توفی موت سے ہوئی۔ ھٰذا تقریر السوال۔

جواب اس سوال کا کئی وجوہ سے ہے۔ اول یہ کہ الفاظ فاقول کما قال میں قال کو بلفظ ماضی ذکر کرنا بنابر حکایت ہے اس قول سے جو قرآن شریف میں مذکور ہے پس معنے یہ ہونگے کہ کہونگا میں جسطرح کہ عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت قرآن شریف میں کہا گیا ہے کہ وہ یہ کہیگا۔" دیگر یہ کہ صحیح بخاری ہی سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اس جگہ قال بمعنے یقول یعنے فعل ماضی بمعنے مستقبل ہے۔ پس معنے یہ ہونگے "پس میں کہونگا جس طرح کہیگا

عبد صالح عیسٰے علیہ السّلام۔ دیگر یہ کہ جب صحیح بخاری سے ثابت ہوچکا کہ اس جگہ ماضی بمعنے مستقبل ہے تو قیامت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول عیسی علیہ السّلام کے قول سے پہلے ہوگا یا پیچھے۔ اگر پہلے ہوگا تو معنے یہ ہونگے "کہونگا میں جس طرح کہیگا عیسٰے علیہ السّلام"۔ اور اگر پیچھے ہوگا تو معنے یہ ہونگے "کہونگا میں جس طرح کہا ہوگا عیسٰی نے"۔ پس اس صورت میں حضرت عیسٰے کا قول بہ نسبت نبی صلعم کے قول کی قیامت ہی کو زمانہ ماضی میں ہوچکا ہوگا۔ پس قال کو ماضی کے صیغے سے ذکر کرنے سے اس قول کا قیامت سے پیشتر واقع ہونا ثابت نہوا۔ دیگر قَالَ لفظ ماضی کو یَقُوْلُ مستقبل کے معنے میں لینا خلاف قاعدہ نہیں بلکہ یہ تو زبان کا ایک عام قاعدہ ہے کہ جو امر ضرور ضرور واقع ہوجانا ہو اُس کو صیغہ ماضی سے بیان کرتے ہیں۔ گویا اُس کو دوسری کی نظر میں ہوا ہوا جانا مقصود ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن شریف اور دیگر کتابوں میں بکثرت ہیں۔ اور نحویوں کے نزدیک اس مسئلہ کا نام باب نُفِخَ فِی الصُّوْرِ ہے یعنی جس طرح آیت نُفِخَ فِی الصُّوْرِ میں نُفِخَ فعل ماضی ہے اور معنے اسکے یُنْفَخُ فعل مستقبل کے ہیں یہ لفظ جو لفظ ماضی سے مستعمل ہوا ہے ایسا ہی ہے۔

مستقبل کو بہ سبب تحقق وقوع کے بلفظ ماضی تعبیر کرنا زبان عربی ہی کا خاصہ نہیں بلکہ ہر زبان میں یہ محاورہ عام طور پر پایا جاتا ہے۔ جیسے ہماری اپنی ہندی زبان میں جب کوئی کسی کو بلاتا ہے تو دوسرا شخص اِن لفظوں سے جواب دیتا ہے "جی آیا جی"۔ حالانکہ وہ ابھی اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب کوئی کسی کو کسی کام پر بھیجے اور سخت تاکید سے کہے کہ جلدی جانا اور شتاب واپس آنا تو اسکی تسلی کے لئے اور اپنی مستعدی اور شتابی ظاہر کرنے کے لئے اُس کو یہ کہا جاتا ہے "بس جی یہ گیا اور وہ آیا"۔ حالانکہ وہ اُسکے روبرو ہی یہ سب کچھ کہہ سُن رہا ہوتا ہے۔ یہ صرف اس لئے ہوتا ہے۔ کہ تا مخاطب کو اس امر کا ضرور بضرور واقع ہوجانا متیقن ہوجائے۔ پس آیت اذ قال اللہ میں بھی صیغہ ماضی کا ذکر کرنا اسی قبیل سے ہے۔ اس جگہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے ازالہ میں جو کچھ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں لکھا ہے اُس سے پایا جاتا ہے کہ اِذ جب ماضی پر داخل ہوتا ہے۔ تو اُسکے معنے ماضی کے ہوتے ہیں"۔ اگر انکی یہی مراد ہے تو ظاہر ہے کہ مرزا صاحب علم نحو میں پختہ نہیں ہیں۔ صرف سادے طور پر چند مسائل جانتے ہیں

اور اس علم کی باریکیوں سے واقف نہیں ہیں۔ ثبوت اسکا یہ ہے۔ کہ اذ کے مدخول علیہ کی ماضویت کی کوئی خصوصیت نہیں۔ خواہ اسکا مدخول علیہ صیغہ ماضی ہو خواہ صیغہ مضارع یہ لفظ بحسب الوضع معنے ماضی میں ہوتا ہے۔ جیسے وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (احزاب) اور کبھی مصروف عن المعنے الوضعی ہوکر بمعنے اذا مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے کہ اذا موضوع ہے مستقبل کے لئے اور کبھی بمعنے ماضی مستعمل ہوتا ہے۔ وقد تقدم نظائر ذٰلك فلا طائل فی الاطالة + اگر کہا جائے کہ تمہارے اس بیان سے معلوم ہوا۔ کہ اگر اذ مضارع پر بھی آوے۔ تب بھی اسکے معنے ماضی ہوتے ہیں۔ تو اگر اذ قال اللہ یعنیلے میں قال کو بمعنے یقول کہیں تو پھر بھی وہ مضارع ماضی کے معنوں میں ہوسکتا ہے تو اسکا **جواب** دو وجہ سے ہیں۔ اول یہ کہ اذ مضارع کے لفظ پر داخل ہوکر اُس کو ماضی کے معنے میں کردیتا ہے نہ مضارع کے معنی پر داخل ہوکر۔ اسی لئے تقریر میں **صیغہ مضارع** کہا گیا ہے۔ اور یہاں آیت میں تو قال لفظ مضارع نہیں بلکہ ماضی بمعنے مضارع ہے اور اس قال کو مضارع کے معنے میں ہونیکی وجہیں پہلے گزر چکی ہیں۔

دوم یہ کہ صحیح بخاری میں اس امر کی بابت لکھا ہے کہ یہ اذ صلہ یعنے زاید ہے۔ غرض کسی طرح لو۔ اس قول کا وقوع قیامت ہی کو ہوگا۔

باقی رہی **سوال** کی شق ثانی یعنے ہر دو پیغمبروں کے لئے لفظ توفے کا آنا اور اسپر لفظ کما کا داخل ہونا۔ سو اس کا **جواب** یہ ہے کہ کلمہ کما کے ماقبل و مابعد کیلئے ضروری نہیں کہ وہ ہر طرح اور ہر وصف اور ہر حکم میں ایک جیسے ہوں۔ بلکہ بسا اوقات انکی کیفیتوں میں بہت مغائرت ہوتی ہے۔ مثلاً آیت کَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ (انبیاء) (یعنے جس طرح ہمنے پہلی دفعہ پیدا کرلیا تھا اسیطرح پھر دوسری دفعہ بھی پیدا کرلینگے) جو اسی حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس پہلی دفعہ کی پیدائش اور قیامت کی پیدائش کو کلمہ کما (جسطرح) سے ذکر کیا۔ تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلیگا۔ کہ پہلی دفعہ ماں کے پیٹ سے باپ کے نطفے سے پیدا ہوئے تھے تو پھر قیامت کو بھی اسی طرح پیدا ہونگے۔ معاذاللہ۔ پہلی اور پچھلی پیدائش کی مماثلت صرف اس امر میں جتلائی گئی ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں اللہ تعالی کی قدرت میں داخل ہیں۔ جس طرح پہلی دفعہ کی پیدائش کو تم دیکھ چکے۔ اسی طرح دوسری دفعہ موت کے بعد زندہ کرنا بھی اس خالق علیم کی قدرت سے باہر نہیں بلکہ اُس میں داخل ہے۔ اسی طرح فاقول

کما قال العبد الصالح میں بھی جو لفظ کما مذکور ہے تو وہ صرف اثبات کے اظہار کیلئے ہے کہ جسطرح حضرت عیسے علیہ السّلام شرک کی تعلیم سے برأت حاصل کرینگے ۔ اسی طرح میں بھی برأت حاصل کرونگا ۔ اور اسکے نظائر قرآن و حدیث اور کتب ادب میں بکثرت سے ہیں ۔

اگر کہا جائے کہ ہمنے مان لیا کہ کلمہ کما کے ماقبل و مابعد کا ہرطرح سے ایک دوسرے کا مماثل و مشارک ہونا ضروری نہیں مگر جبکہ دونوں پیغمبروں کے لئے ایک ہی لفظ توفی آیا ہے تو اب ہم کس دلیل سے رسول اللہ صلعم کی توفی کو تو موت کہیں اور حضرت عیسے ؑ کی توفی کو رفع آسمان سے تعبیر کریں ۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ پیچھے خاصکر پہلے باب میں بہت تفصیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ توفی جنس ہے اور موت اور رفع وغیرہ اسکی انواع ہیں ۔ پس جس لفظ کے مفہوم میں کئی معنے ہوں اُس کو ایک معنی میں معین کرنے کے لئے قرائن اور حالات مخصوصہ اور دلائل خارجیہ پر نظر کرنی پڑتی ہے ۔ جیسے کہ اسی آیت فلما توفیتنی سے پیشتر تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ یعنی یا اللہ میرے نفس میں جو کچھ ہے تو اُسے خوب جانتا ہے ۔ لیکن جو کچھ تیرے نفس میں ہے ۔ میں اُسے ہرگز نہیں جانتا " اس آیت میں عیسے علیہ السّلام ابن مریم اور اللہ پاک کے لئے ایک ہی لفظ نفس وارد ہوا ہے ۔ تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ معاذ اللہ عیسے علیہ السّلام کا نفس اور پاک اور بےمثل نفس الٰہی ایک جیسے ہیں ۔ معاذ اللہ ۔ تعالی اللہ عن ذٰلک علوا کبیرا ۔ اسی طرح گو ایک ہی لفظ توفی دونوں پیغمبروں کے لئے مستعمل ہے ۔ مگر ہر دو کے حالات مخصوصہ جو دلائل خارجیہ سے ثابت ہیں اُن پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السّلام کی توفی رفع آسمانی سے ہوئی اور رسول اللہ صلعم کی توفی موت سے ہوئی ۔

حضرت عیسے علیہ السّلام کی توفی بالرفع ہونے کے دلائل حصہ اول میں بہ بسط مذکور ہو چکے ہیں ۔ جیسے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الآیہ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ طالب تفصیل اس کتاب کا مطالعہ کرے ۔ اور رسول اللہ صلعم کی توفی بالموت کی دلیل حدیث صحیح بخاری جو باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومرضہ میں موجود ہے اور نیز دیگر احادیث مثلاً نبی صلعم کے غسل اور کفن اور جنازے کی ۔

پس آیت فلما توفیتنی سے بھی مرزا صاحب کی مراد کے موافق حضرت عیسے علیہ السّلام کی موت ثابت نہ ہوئی ۔ بلکہ اُسکے خلاف رفع آسمانی ثابت ہوا ۔ فالحمد للہ

قسم اوّل میں سے تیسری آیت بل رفعہ اللہ الیہ ہے۔

یہ آیت حضرت عیسے علیہ السّلام کے رفع آسمانی کے لئے نص قطعی ہے۔ اور اس کی پوری تفصیل باب اول میں ہو چکی ہے۔ اور اس کے متعلق مرزا صاحب کے سب خیالات کو عقلی اور نقلی طریق سے غلط ثابت کر دکھایا ہے۔ اسکے جواب میں اگر مرزا صاحب مدتوں سر دُھنتے رہیں اور زمانوں کوشش کرتے رہیں۔ تو بھی کبھی کامیاب نہیں ہو سکینگے۔ الغرض مرزا صاحب کے طریق استدلال پر تعجب آتا ہے کہ کیسی دلیری اور بیباکی سے آیت بل رفعہ اللہ الیہ کو حضرت علیہ السّلام کی موت کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ کیا اہل علم و دانش دُنیا سے معدوم ہو گئے ہیں۔ ؎

کس نیاید بزیر سایہ بوم ورہما از جہاں شود معدوم

اس آیت سے حضرت عیسے علیہ السّلام کی موت کو ثابت کرنا ایسا ہے جیسے بعض عیسائیوں نے قرآن شریف سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی الوہیت ثابت کرنی چاہی ہے۔ جب ہم اس آیت کے متعلق مرزا صاحب کی تقریر پڑھتے ہیں تو ہمیں بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ اور خیال آتا ہے کہ مرزا صاحب کی حالت دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو آپ علوم عربیہ سے ناواقف ہیں۔ یا جان بوجھ کر ان علوم کا خلاف کرتے ہیں اور دوسری صورت پر ظن غالب ہے۔ کیونکہ بالفرض اگر خود ناواقف بھی ہوں تو بھی متبحر علما سے اتنی مدت تک مفید کتابیں تصنیف کرنے سے ایک کم علم انصاف پسند بھی صحیح مراد سے واقف ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ مرزا صاحب ہوں جو معارف قرآنیہ کے سب سے بڑھکر مدعی ہیں۔

مرزا صاحب نے اس آیت سے موت ثابت کرنے کے لئے جو طریق اختیار کیا ہے۔ وہ علاوہ غلط اور ضعیف ہونے کے خود اُنکے مقصود کے بھی خلاف ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"جاننا چاہئے کہ اس رفع سے مراد وہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ دوسری آیت اسپر دلالت کرتی ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ پھر تحریر فرماتے ہیں"۔ لہذا یہ امر ثابت ہے۔ کہ رفع سے مراد اس جگہ موت ہے مگر ایسی موت جو عزت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ مقربین کے لئے ہوتی ہے۔ کہ بعد موت انکی روحیں علیین تک پہنچائی جاتی ہیں۔ فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ۔ انتہٰی۔ مرزا صاحب کا اصل مقصود یہ ہے کہ اس آیت بل رفعہ اللہ

الیہ سے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی رفع آسمانی ثابت نہو۔ اسی لئے کئی دفعہ کہا کرتے ہیں کہ جسم عنصری کے اُٹھائے جانے کی کوئی دلیل نہیں اور نہ آسمان کی تصریح ہے تو پھر ضرور رفع روحانی اور عزت کی موت لیجائیگی۔

از الہ اوہام کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے اس سے اس امر کا فیصلہ آسانی سے ہوسکتا ہے۔ کہ رفع کے معنے اُٹھانا اور الیہ کے معنے آسمان کی طرف مرزا صاحب کے نزدیک مسلم ہیں کیونکہ آپ جب ارواح کے اُٹھائے جانے کے قائل ہیں تو اس صورت میں رفع کے حقیقی معنے اُٹھانا ثابت ہیں اور چونکہ ارواح کا اُٹھایا جانا آسمان کی طرف ہوتا ہے جیسا کہ آپ بھی اسے علیین کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلئے آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں آسمان کی طرف حقیقی طور پر اُٹھایا جانا آپ کے نزدیک مسلم ٹھیرا۔ اب تنازع صرف اس امر میں رہا کہ کیا چیز اُٹھائی گئی آیا خود مسیح علیہ السّلام مع جسم اُٹھائے گئے یا صرف آپ کی روح؟

سو اسکا صاف بیان اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ "یعنی یہودیوں پر اُنکے اس قول کے سبب لعنت پڑی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمنے ضرور ضرور مسیح موعود ابن مریم رسول اللہ کو قتل کردیا اور اُنہوں نے اس کو نہ تو قتل کیا اور نہ صلیب پر کھینچا"۔ اور ظاہر ہے کہ قتل کرنے اور صلیب پر کھینچنے کے قابل جسم ہوتا ہے۔ نہ روح۔ پس یہود کا دعوی قتل مسیح علیہ السّلام کے جسم کی نسبت ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی قتل اور صلب کی نفی جسم مسیح علیہ السّلام کی نسبت کی۔ پس چونکہ سب منصوب ضمیریں جو وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں پائی جاتی ہیں۔ ان سب کا مرجع المسیح ہے اسلئے ضرور ضرور مسیح علیہ السّلام کے جسم کا اٹھایا جانا ماننا پڑیگا۔ کیونکہ جس چیز کی نسبت یہود دعوی کرتے تھے کہ ہمنے اس کو قتل کر دیا۔ اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ تردید کے طور پر فرماتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اُسے آسمان پر اُٹھالیا۔ اور چونکہ ان کا دعوے جسم کے قتل صلب کی نسبت تھا۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے بھی جسم ہی کو انکی گزند سے بچانے کے لئے اُٹھایا۔ جیساکہ فرمایا وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یعنے میں تجھ کو کفار سے پاک رکھونگا"۔

اس مقام پر مرزا صاحب کا آیت وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا کو پیش کرنا بالکل بے محل ہے اور اس سے اُن کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ "رفع کے معنے عزت کی

موت" نہ تو بشہادت لغت ثابت ہے اور نہ یہ لفظ عرف عام اور عرف شرع میں ان معنوں میں پایا گیا ہے۔ اور نہ یہ کسی فن کی اصطلاح ہے۔ تو پھر مرزا صاحب کس قاعدے سے اس سے عزت کی موت مراد لیتے ہیں۔ لغت میں رفع کے معنے ہیں برداشتن یعنے اوپر اُٹھانا اور اسکی ضد ہے وضع اور خفض یعنے نیچے رکھنا جیسے کہ صراح اور نیز مصباح میں لکھا ہے۔ اور اسکی تحقیق باب اول میں بالتفصیل گزر چکی ہے۔ باقی رہی حضرت ادریس علیہ السّلام کی رفع کی صورت۔ سو قرآن شریف نے انہی لفظوں میں اس کا بھی فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ اس سے مراد رفعت منزلت ہے۔ کیونکہ جب رفع کے ساتھ کوئی لفظ جو بلندی رتبہ پر دلالت کرے مذکور ہو تو اُسکے مجازی معنے بلندی درجہ لئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ آیت وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ اور اس جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہے۔ پس چونکہ اسکے آگے ہی مَكَانًا عَلِيًّا کی تصریح مذکور ہے اِسلئے اسکے معنے اس قرینے سے یہ ہونگے "کہ عزت دی ہمنے اُس کو بلند رتبے پر"۔

اس بیان سے دو امر برخلاف مقصود مرزا صاحب ثابت ہوئے اول یہ کہ رفع کے معنے عزت کی موت نہیں ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ رفع سے مراد بلندی رتبہ تب لئے جاتے ہیں جب اُس کے ساتھ کوئی قرینہ پایا جائے ورنہ نہیں۔

مرزا صاحب نے مقربین کی ارواح کے علیین تک اُٹھائے جانے میں یہ آیت پیش کی ہے فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ مرزا صاحب کا یہ استدلال بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس سے پیشتر یہ ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ یعنے پرہیزگار لوگ باغوں اور نہروں میں ہونگے۔ اقتدار والے بادشاہ کے پاس صداقت کے گھر (بہشت میں)۔ پس پہلی آیت کے ساتھ ملانے سے واضح ہو گیا کہ اس میں پرہیزگاروں کے لئے جنت میں داخل ہونے کی بشارت ہے۔ اور یہ سب کچھ بروز قیامت ہوگا۔ پس مرزا صاحب کا اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ موت کے وقت پرہیزگاروں کی روحیں علیین پر پہنچائی جاتی ہیں۔ صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ اس آیت میں اس امر کا ہرگز ذکر نہیں۔

چوتھی آیت ۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (نساء) مرزا صاحب نے برخلاف مراد الٰہی کے اس آیت سے بھی

حضرت عیسی علیہ السّلام کی موت قبل النزول ثابت کرنی چاہی ہی حالانکہ یہ آیت حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی حیات کے لئے قطعی الدلالۃ آیت ہی۔ اور نیز آپ کے نزول کی صاف شہادت دیتی ہے۔ جیساکہ عنقریب ثابت کیا جائیگا۔ مرزا صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "۔ اور کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہمنے اہل کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہی ایمان نہ رکھتا ہو قبل اسکے جو وہ اِس حقیقت پر ایمان لاوے جو مسیح اپنی طبعی موت سے مرگیا"۔ الخ (ازالہ جلد اول ص۱۸۸ تقطیع کلاں)

ناظرین پیشتر اسکے کہ ہم اس آیت کی صحیح تفسیر ذکر کریں اور آپ کو ثابت کر دکھائیں۔ کہ مرزا صاحب کا استدلال بالکل غلط بلکہ باطل ہے (کیونکہ اس میں تو مرزا صاحب کی مراد کے خلاف عیسٰی علیہ السّلام کی زندگی کا بیان ہے۔ اور نیز اُنکے دعوے مسیحیت کے خلاف عیسٰی علیہ السّلام کے نزول کا ذکر ہے) ہم آپ کی با انصاف توجہ اِس ترجمہ کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں جو ہمنے ازالہ اوہام تقطیع کلاں ص۱۸۷ جلد اوّل میں سے اوپر نقل کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے نہ تو قواعد و محاورات زبان کا خیال کیا اور نہ قرآن شریف کے الفاظ کا لحاظ کیا اپنے خیال کے پیرو ہو کر جو کچھ جی میں آیا کہہ دیا۔ اگر خواہش نفسانی یہ نہیں ہے تو پھر کس چیز کا نام ہے۔ **اللہ اکبر!**۔ اگر قرآن شریف کا ترجمہ اسی طرح کرنا درست قرار دیا جائے کہ ایک امر کو پہلے اپنے جی میں ٹھان لیں اور پھر الفاظ کو موڑ توڑ کر اُس کے مطابق کرنیکی کوشش کریں تو پھر شاید کسی اُلٹی سے الٹی اور باطل سے باطل بات کو بھی ثابت کرلینا مشکل نہیں ہوگا۔ مخاطب و سامع کے لئے ضروری ہے کہ اپنے خیال کو متکلم کے الفاظ کے تابع رکھے۔ نہ یہ کہ متکلم کے الفاظ کو اپنے خیال کے پیچھے پیچھے جدہر چاہے کھینچ لیجائے۔ ترجمہ کرنیکا صحیح طریق یہی ہے کہ پہلے مفردات کے معانی پر غور کیجائے اور پھر انکی باہمی ترکیب و تعلق کو زیر نظر رکھ کر مراد کو سمجھا جائے۔ مرزا صاحب اس طریق کے بالکل خلاف چلتے ہیں۔ تب ہی رفع اور حیات اور نزول کے ثابت کرنیوالی آیات سے موت سمجھتے ہیں۔

جہانتک مَیں نے مرزا صاحب اور آپ کی پارٹی کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اور جہانتک مجھے اُن کی پارٹی کے بعض مولویوں سے بحث کرنیکا اتفاق پڑا ہے۔ دیکھا ہے کہ اُن کی جماعت میں ابھی تک تین آیتوں کے ترجمے کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ ہمیشہ اُن کے ترجمے میں تنسیخ و ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ جس سے دفع الوقتی کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور بات

کسی ٹھکانے نہیں لگتی۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ اِن آیتوں میں مرزا صاحب کے مذہب اور دعوے کی تردید صاف طور پر مصرح ہے۔ پس انکو ہمیشہ اسبات کی لگی رہتی ہے کہ ان آیتوں کے مطالب کو پھیر پھار کر ایسے طریق پر بیان کیا جائے کہ اپنے اوپر حجت پوری نہو۔ اور چونکہ جو معنے وہ کرتے ہیں وہ بلحاظ قواعد مقررہ کسی صورت سے ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ اسلئے ہر وقت اُنکے ردّ و بدل کی نسبت اُن کی طبیعت میں تردد رہتا ہے اور ہمیشہ گرگٹ کی طرح نئے رنگ میں اُترتے ہیں۔

اوّل ان تین آیتوں میں سے ولکن شبہ لھم ہے۔ دوم یہی آیت وان من اھل الکتب۔ سوم۔ سورۂ زخرف کی آیت وانہ لعلم للساعۃ

حصہ اوّل صٓ ۱۲ میں گزرچکا ہے کہ آیت وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا کے صحیح معنے یہی ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جس میں سب اہل کتاب حضرت عیسٰی علیہ السّلام پر ضرور آپکے مرنے سے پہلے ایمان لے آوینگے۔ اور آپ اُن پر قیامت کے دن شاہد ہونگے؛

موافق محاورہ زبان عرب و قواعد علم نحو اس آیت کے صحیح معنے یہی ہیں اور جتنے معنے اس کے سوائے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ لیؤمنن میں نون ثقیلہ بالام تاکید آیا ہے۔ اور جملہ کتب نحو کیا متن اور کیا شروح سب میں بالاتفاق مذکور ہے۔ کہ نون تاکید مضارع کو خاص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ اور ماضی اور حال کے لئے نہیں آتا۔ اس مسئلہ میں کسی امام لغت و نحو کو خلاف نہیں اور نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی صلعم یا کلام عرب میں اسکے خلاف نون تاکید کا استعمال پایا گیا ہے۔ چنانچہ امام ابن ہشام نحوی اپنی کتاب مغنی اللبیب میں فرماتے ہیں واما المضارع ان کان حالا لم یوکد بھما وان کان مستقبلا اکد بھما وجوبا فی نحو قولہ تاللہ لاکیدن اصنامکم انتہی۔ (مغنی جلد ثانی صٓ ۲۲) یعنی مضارع کا صیغہ (جو حال و استقبال دونوں کے لئے آتا ہے) جب حال کے معنے میں ظاہر ہو تو نون تاکید ثقیلہ و خفیفہ اسپر نہیں آسکتے۔ اور اگر مستقبل کے معنے میں ہو تو پھر نون کے ساتھ اسکی تاکید واجب ہوتی ہے۔ جب کوئی کلمہ قسم کا آیا ہو“ اسی طرح علامہ رضی شرح کافیہ میں تحریر کرتے ہیں۔ واما فی المستقبل الذے ہو خبر محض فلا ید خل الا بعد ان ید خل علی اول الفعل ما یدل علی التوکید

ایضاً کلام القسم انتہے۔ یعنی جو مستقبل صرف خبری ہی ہو اُسپر نون تاکید کا نہیں آتا۔ مگر اُسوقت جب کہ فعل کے پہلے کوئی ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے جیسے لام قسم اسی طرح اس قاعدہ کی نسبت مفصل زمخشری اور کافیہ ابن حاجب اور الفیہ ابن مالک رح اور شرح ملا جامی اور تکملہ مولنا عبد الحکیم وغیرہ جملہ کتب نحو میں ایسا ہی مذکور ہے۔

مرزا صاحب نے اس آیت کے جو معنے کئے ہیں۔ وہ تو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ اور ناظرین معلوم کر چکے ہیں۔ کہ وہ علاوہ قواعد زبان عرب کے روسے غلط ہونے کے الفاظ قرآن سے بھی کس قدر دُور اور نرالے ہیں۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے متعلق مولوی محمد احسن صاحب فاضل امروہی اور مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی نے جو گُل کھلائے ہیں اور قواعد نحویہ کی جو رعایت رکھی ہے اُس کو بیان کیا جائے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ مرزائی پارٹی اس آیت کے ترجمے میں کیسی حیران و سرگردان ہے۔ چنانچہ مولوی مبارک علی صاحب اپنے رسالہ القول الجمیل صفحہ ۲۸ میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں۔ "اور ان اہل کتاب میں سے ہر ایک شخص کے لئے ضروری ہے۔ کہ اسبات کو اپنے مرجانے کے پیشتر ہی تسلیم کرے (کہ مسیح کی ہڈی نہیں توڑی گئی اسواسطے وہ صلیب پر نہیں مرا) ورنہ یہ تو آخر کو ہونا ہی ہے کہ مسیح جسکی نسبت یہ وہم و گمان بھرے ہوئے اعتقادیات اہل کتاب نے تسلیم کر رکھے ہیں ان کا حال بتلاویگا اور اُن کے برخلاف قیامت کے دن اظہار دیگا۔ اُسوقت سب اپنی غلطی سے واقف ہو جائینگے انتہے"

ناظرین علاوہ اس امر کے مولوی صاحب کا یہ ترجمہ قرآن شریف کے الفاظ اور قواعد زبان سے کس قدر اجنبی ہے۔ آپ اپنی توجہ اس طرف مبذول فرمائیں کہ یہ ترجمہ مرزا صاحب کے اپنے ترجمہ سے کیسا صاف نرالا ہے۔ یہ عجیب امر ہے کہ رسول قادیانی کچھ ترجمہ کرتا ہے اور اُسکے اُمتی کچھ اور ہی راگنی گاتے ہیں ان کا آپس ہی میں اتفاق نہیں تو ہم کس کی مانیں؟ یہ ظاہر ہے کہ مولوی صاحب نے اس مقام پر لیؤمنن کے معنے صیغہ امر کے کئے ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے "ضروری ہے کہ اسبات کو تسلیم کرے"۔

جہانتک ہمیں تجربہ ہے مولوی صاحب ہمارے بیان سے تو ضرور چڑینگے اور بوجہ مخالفت

کے سید ہے کو بھی ٹیڑھا جانیں گے۔ اور اپنی غلطی کا ہرگز اعتراف نہیں کرینگے۔ اسلئے ناظرین میں آپ کیخدمت میں التماس کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی صاحب اُن کو یہ سمجھا دیں۔ کہ مولوی صاحب! بیشک آپ علمی لیاقت کا تو سب سے بڑھکر دعوی کرتے ہیں اور اپنے مقابلہ میں کسی کو نہیں جانتے۔ مگر یہ تو بتلایئے کہ آپنے کس قاعدے سے پہچانا کہ لیؤمنن صیغہ امر غائب موکد بنون تاکید ہے۔ ہاہ! ہاہ!! سچ ہے جان بوجھ کر حق کے خلاف چلنے اور ضد اور تعصب سے باطل کی پیروی کرنے سے علم و عقل دونوں جاتے رہتے ہیں۔ مولویصاحب! یہ امر کا صیغہ نہیں ہے۔ آپ صرف میر وغیرہ ابتدائی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ کہ امر کا لام مکسور ہوتا ہے۔ اور آیت میں تو مفتوح ہے۔

اسی طرح فاضل امروہی نے اور ہی گل کھلایا اور اپنی فضیلت کی پگڑی کو داغ لگایا چنانچہ مباحثہ دہلی کے تعلق آپ بعنوان "بحث لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ" لکھتے ہیں۔ (دیکھو الحق سیالکوٹ جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۱۲۱) ازہری وغیرہ نے تصریح میں تصریح کی ہے۔ کہ لام تاکید کا حال کیواسطے آتا ہے۔ اب تسلیم کیا کہ فقط نون تاکید صرف استقبال کے واسطے ہے۔ لیکن جب کسی صیغہ میں لام تاکید بھی ہو جو حال کیواسطے آتا ہے اور نون تاکید بھی ہو چنانچہ ما نحن فیہ میں ہے۔ تو وہاں پر خالص استقبال بالضرور ہونیکی کیا وجہ۔ اس کی کوئی دلیل مولوی[1] صاحب نے نحو سے ارشاد نہیں فرمائی اور تقریب دلیل محض ناتمام رہی۔ یہ مانا کہ صرف نون تاکید استقبال کیواسطے نحو میں لکھا ہے۔ آمر۔ نہی۔ استفہام تمنی۔ عرض وغیرہ۔ ان میں صرف نون تاکید ہوتا ہے۔ بغیر لام تاکید کے۔ پس ان صیغوں میں صرف استقبال ضرور مراد ہوسکتا ہے لیکن جس صیغہ میں لام تاکید بھی ہو اور نون تاکید بھی۔ اس میں خالص ہونے استقبال کی کیا دلیل ہے۔ انتہے"۔

فاضل امروہی صاحب کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نون ثقیلہ کا مضارع کو استقبال کے معنوں میں کردینا تو مسلم ہے۔ مگر چونکہ لام تاکید کا حال کیواسطے آتا ہے اور لیؤمنن پر لام تاکید اور نون تاکید ہر دو آئے ہیں اسلئے اس صیغہ کو حال اور استقبال دونوں کے لئے سمجھنا چاہئے۔ نہ کہ خالص استقبال کے لئے"۔ جب علم نحو کے ابتدائی مسائل میں مولوی

---

[1] یعنے فاضل بےنظیر مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی جن سے دہلی میں مرزا صاحب کا مباحثہ ہوا تھا۔ اور مرزا صاحب اسی نون ثقیلہ کے بوجہ سے ایسے گھبرائے تھے کہ برخلاف شرائط مقررہ بحث کو ناتمام چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ ۱۲ منہ

محمد احسن صاحب جیسے جید علما کو ایسا التباس واشتباہ واقع ہو۔ جو علوم رسمیہ میں خود مرزا صاحب اور مولوی حکیم نورالدین صاحب سے کئی درجے زیادہ لائق ہیں۔ تو ہم اس پارٹی کی لیاقت علمی اور عقل ودانش کے کیسے قائل ہوں۔ بھلا مولوی مبارک علی صاحب کی نسبت تو یہ گمان بھی ہو سکتا ہے کہ اُنہوں نے ناواقفی کی وجہ سے لیؤمنن کو امر کا صیغہ سمجھ لیا ہے۔ مگر مولوی محمد احسن صاحب کی فضیلت سے تو ایسا گمان بہت بعید نظر آتا ہے۔ اُن کو اس لام قسم اور لام حال میں کیوں اشتباہ ہوا۔ آخر ماننا پڑیگا کہ فاضل امروہی صاحب نے جان بوجھ کر خلق خدا کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا ہے۔ لیجئے ہم فاضل امروہی صاحب کو ایک ایسی بات یاد کراتے ہیں جو وہ بوجہ پیری کے بھول گئے ہیں۔

امروہی صاحب! لیؤمنن میں لام بمعنے حال نہیں ہے۔ بلکہ یہ لام قسم کا ہے۔ اور استقبال خبری پر نون تاکید آنے کے لئے اس سے پہلے کوئی ایسا کلمہ ضروری ہے۔ جو قسم پر دلالت کرے۔ کیونکہ جو استقبال محض خبر ہو اُس پر نون تاکید بغیر اُس کے نہیں آسکتا کہ اُس کے اول میں ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے۔ اور جو لام حال کے لئے آتا ہے اُس کے ساتھ نون تاکید نہیں آسکتا۔ کیونکہ نون تاکید استقبال کے لئے آتا ہے۔ اور حال کی تاکید نہیں ہو سکتی چنانچہ اسکی مفصل بحث شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی میں اسطرح ہے

واعلم ان الاصل فی نون التاکید ان تلحق بآخر فعل مستقبل فیه معنی الطلب کالامر والنهی والاستفهام والتمنی والعرض نحو اضربن زیدا ولا تضربن وهل تضربنه ولیتك تضربن مثقلة ومخففة واختص بما فیه معنی الطلب لان وضعه للتاکید والتاکید انما یلیق بما یطلب حتی یوجد ویحصل فیغتنم هو بوجدان المطلوب ولا یلیق بالخبر المحض لانه قد وجد وحصل فلا یناسبه التاکید واختص بالمستقبل لان الطلب انما یتعلق بما لم یحصل بعد

کہ نون تاکید کے متعلق اصل قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل مستقبل میں طلب کے معنے پائے جائیں اُس کے آخر میں آوے۔ مثلاً امر نہی۔ استفہام تمنی اور عرض۔ اور یہ طلب کے معنے والے فعل سے اسلئے مختص ہے کہ اس کی وضع تاکید کے لئے ہے۔ اور تاکید اُس کے ساتھ مناسب ہوتی ہے جس میں طلب پائی جائے تاکہ وہ حاصل اور موجود ہو۔ اور محض خبر کے مناسب نہیں کیونکہ وہ حاصل و موجود ہوتی ہے اور مستقبل کے ساتھ اسلئے مختص ہے کہ طلب اُس کی متعلق ہوتی ہے جو ابھی حاصل نہ ہو۔ اور یہ بات

ليحصل وهو المستقبل بخلاف الحال
والماضي لحصولهما والمستقبل الذي
هو خبر محض لا تلحق نون التاكيد بآخره
الا بعد ان يدخل على اول الفعل ما
يدل على التاكيد كلام القسم وان لم
يكن فيه معنى الطلب لان الغالب ان
المتكلم يقسم على مطلوبه انتهى۔

مستقبل میں پائی جاتی ہے برخلاف حال اور ماضی کے کہ وہ دونوں حاصل ہوتے ہیں اور جو مستقبل محض خبر ہو اُسکے آخر نون تاکید نہیں آتا۔ مگر اس صورت میں کہ فعل کے پہلے کوئی ایسا کلمہ ہو جو تاکید پر دلالت کرے جیسے لام قسم اگرچہ اس میں طلب کے معنے نہ پائے جائیں۔ کیونکہ غالباً متکلم ایسے امر پر قسم کھاتا ہے" جو مطلوب ہو"

فاضل امروہی صاحب اس عبارت پر غور کرینگے تو اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ لیؤمنن میں لام قسم کا ہے نہ کہ بمعنے حال۔ (دیکھو تفسیر بیضاوی وغیرہ) پس آپکا اسے حال اور استقبال دونوں کے لئے سمجھنا ٹھیک نہیں ہے۔

پس ہم تشریح اور بسط کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ نون تاکید (ثقیلہ یا خفیفہ) مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ اور نیز یہ کہ لیؤمنن میں لام قسم کا ہے جس کا ہونا استقبال جزمی پر نون تاکید داخل ہونے کے لئے ضروری ہے۔ پس آیت وان من اهل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ کا لفظی ترجمہ یہ ہوا" اور نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کوئی مگر البتہ ایمان لاویگا ساتھ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے پہلے مرنے حضرت عیسےٰ کے" اور حاصل ترجمہ یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ سب اہل کتاب اس میں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام پر حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے مرنے سے پہلے ایمان لاوینگے" پس چونکہ ابھی تک اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا اتفاق حضرت عیسےٰ علیہ السّلام پر ایمان لے آنے کے بارے میں نہیں پایا گیا اسلئے ثابت ہوا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام ابھی تک زندہ ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسےٰ کی موت اہل کتاب کے ایمانی اتفاق کے بعد ہونی ہے۔ اور جب ابتک وہ ایمان میں متفق نہیں ہوئے تو آپ کی موت بھی واقع نہیں ہوئی۔

اس آیت کے جو معنے ہمنے بیان کئے ہیں محاورہ زبان عرب اور قواعد نحو اور محاورہ کتاب وسنت کے رو سے بھی ایک صحیح ہیں۔ اور اسکے سوائے جسقدر احتمالات ہیں وہ سب غلط او باطل ہیں۔ کیونکہ کسی معنے کی بنا پر لیؤمنن کا لفظ خالص استقبال کے لئے باقی نہیں رہتا

اگر جناب مرزا صاحب یا فاضل امروہی صاحب ایک آیت یا ایک حدیث یا کوئی کلام عرب عربا کا ایسا پیش کریں جس میں نون تاکید حال یا ماضی کے لئے یقینی طور پر آیا ہو۔ یا علم نحو کی کسی معتبر کتاب کی کوئی عبارت جس میں امر مذکور کی تصریح ہو تو میں اس مقدمہ نون تاکید کو جسکے رو سے اوپر ترجمہ کیا گیا ہے۔ غیر صحیح تسلیم کر لونگا۔

واضح ہو کہ اس آیت وان من اھل الکتب میں موتہ کی ضمیر کی بابت دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ ضمیر حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی طرف پھرتی ہے۔ جیسا کہ اوپر مفصل گزر چکا۔ دوم یہ کہ کتابی کی طرف پھرتی ہے۔ پھر اسکے معنے اس طرح ہونگے "نہیں کوئی اہل کتاب میں سے مگر البتہ ایمان لاتا ہے حضرت عیسٰے پر اپنے مرنے سے پیشتر"۔ یعنی جان کندن کے وقت۔ اس تقدیر پر لیؤمنن کا خالص استقبال کے لئے نہ رہنا صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ اہل کتاب اس آیت کے نزول سے پیشتر بھی مرتے تھے۔ اور اسکے نزول کیوقت بھی۔ پس یہ کتابی کی طرف ضمیر کو پھیرنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ مفسرین کی ایک جماعت اس کی قایل ہے کہ یہ ضمیر کتابی کی طرف پھرتی ہے۔ اور نیز یہ ابن عباس رضہ سے بھی مروی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی احتمال کے ذکر سے اس احتمال کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ دوم یہ کہ جب ثابت ہو چکا کہ کتابی کی طرف ضمیر پھرنیکی صورت میں لیؤمنن خالص استقبال کے لئے نہیں رہتا۔ اور یہ امر قواعد نحویہ اور محاورہ زبان عرب کے بالکل خلاف ہے۔ تو اب اس قول کے ضعیف ماننے میں کیا تامل ہے۔ سوم یہ کہ جن لوگوں نے اس ضمیر کو کتابی کی طرف مانا ہے انہوں نے اسکے عیسے علیہ السّلام کی طرف پھیرنے سے انکار نہیں کیا۔ اور نہ حیات و نزول عیسے علیہ السّلام سے انکار کیا ہے۔ بلکہ پھر بھی وہ اسی آیت حیات و نزول عیسٰے کے قائل ہیں۔ دیکھو شروح صحیح بخاری۔ فتح الباری و عمدۃ القاری وغیرہما۔

پس اس سے مرزا صاحب کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ باقی رہی روایت حضرت ابن عباسؓ سو وہ ضعیف ہے۔ اور بروایت صحیح اُن سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسے ؑ کی طرف پھرتی ہے۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس ضمیر کے حضرت عیسٰے کی طرف پھرنے کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ "۔ حضرت ابن عباس رضہ نے اسی پر جزم کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن جریر نے سعید بن جبیر

وبھذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن

جریر عن طریق سعید بن جبیر عنہ باسناد صحیح ومن طریق ابی رجآء عن الحسن قال قبل موت عیسی واللہ انہ الآن لحی ولکن اذا نزل آمنوا بہ اجمعون ونقلہ عن اکثر اھل العلم ورجحہ ابن جریر وغیرہ

(فتح الباری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسٰے ص)

کے طریق سے ان سے روایت کیا ہے۔ اور نیز ابو رجآء کے طریق سے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہی کہا عیسٰے علیہ السّلام کی موت سے پہلے۔ خدا کی قسم اب تک وہ زندہ ہیں لیکن جسوقت نازل ہونگے اُسوقت سب اہل کتاب آپ پر ایمان لے آوینگے۔ اور اس بات کو اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے۔ اور اُسی کو ابن جریر وغیرہ مفسرین نے ترجیح دی ہے۔ انتہٰے"

صحیح بخاری کی دیگر شروح مثلاً عمدۃ القاری اور ارشاد الساری وغیرہما میں بھی یہی لکھا ہے اور اسی امر کو ترجیح دی ہے کہ یہ ضمیر عیسٰے علیہ السّلام کی طرف پھرتی ہے۔ چنانچہ شرح قسطلانی میں ہے:۔ "کوئی اہل کتاب میں سے نہ ہوگا مگر البتہ ایمان لے آویگا ساتھ عیسٰے

لے وان من اھل الکتٰب احد الا لیؤمنن بعیسٰی قبل موت عیسٰی وھم اھل الکتٰب الذین یکونون فی زمانہ فتکون الملۃ واحدۃ وھی ملۃ الاسلام وبھذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر من طریق سعید بن جبیر عنہ باسناد صحیح

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری)

علیہ السّلام کے عیسٰی علیہ السّلام کی موت سے پہلے اور وے وہ اہل کتاب ہونگے جو آپ کے زمانِ (نزول) میں موجود ہونگے۔ پس صرف ایک ہی مذہب یعنی مذہب اسلام باقی رہ جائیگا اور اسپر ابن عباس رضؓ نے جزم کیا ہے۔ جیسا کہ ابن جریر نے سعید بن جبیر کے طریق سے اُنسے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔"

محقق مفسرین و شارحین حدیث ہر زمانے میں ابن عباس کی اس روایت کو یعنے کتابی کی طرف ضمیر کے پھرنے والی روائت کو ضعیف کہتے چلے آئے ہیں اور حضرت ابن عباس رضؓ سے اُسی امر کو صحیح و ثابت قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ کہ اس ضمیر کا مرجع حضرت عیسٰے علیہ السلام ہیں اور بس۔

دیگر یہ کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روائت سے اس آیت کی تفسیر یہی کی گئی ہے۔ کہ یہ ضمیر حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی طرف پھرتی ہے۔ جیسا کہ ص۹ میں اسکا مفصل بیان گزر چکا ہے۔ پس جب حضرت ابو ہریرہ رضؓ اس آیت کو نزول عیسٰےؑ کی حدیث کی تصدیق کے لئے سب صحابہ کے سامنے پڑھتے ہیں اور اُن کو باواز بلند

بلند پکار کر کہتے ہیں فَاقْرَؤُا اِنْ شِئْتُمْ اور کوئی صحابی اُن کے اس استدلال کا انکار نہیں کرتا۔ اور ان کے خلاف قائم ہو کر اس ضمیر کو کتابی کی طرف پھیرنے کے لئے کہتا ہے تو اب ثابت ہو گیا کہ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم میں اس ضمیر کا حضرت عیسٰے ؑ کی طرف پھرنا بلا نکیر مانا گیا ہے اور اس پر اُن کا اجماع و اتفاق ہے۔ کیا مرزا صاحب یا مولوی محمد احسن صاحب کہیں سے بسند صحیح ثابت کر سکتے ہیں کہ کسی صحابی نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے اس استدلال کی تردید یا اُن سے خلاف کیا؟ ہرگز نہیں اور کبھی نہیں +

اس آیت کے معنے جو ہمنے مضبوط دلائل سے ثابت کر دکھائے ہیں مرزا صاحب نے اپنے ازالہ میں اُنکے متعلق چار اعتراض کئے ہیں اِن سب کے جواب کے لئے نون ثقیلہ کا قاعدہ جو جمیع ائمہ علم نحو کا اتفاقی و اجماعی ہے اور اوپر بیان ہو چکا ہے۔ کافی ہے لہذا تطویل کی ضرورت نہیں۔ اگر مرزا صاحب کے لئے اتنی تحریر کافی نہ ہوئی اور انہوں نے اس کتاب کا جواب لکھا تو انشاءاللہ جواب الجواب میں زیادہ تفصیل کے ساتھ انکا مونہہ بالکل بند کر دیا جائیگا۔

بیان مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں عیسٰے علیہ السلام کی موت قبل النزول کا واقع ہونا مذکور نہیں۔ بلکہ برخلاف اسکے اُنکے زندہ ہونیکا صاف ثبوت ہے۔ اب اس لطیف نکتہ کا بیان کیا جاتا ہے جس کے رو سے حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے علاوہ قبل موتہ کی ضمیر کے اس آیت کو حضرت عیسی ؑ کے نزول کی حدیث کی تصدیق کے لئے سب صحابہ کے سامنے پیش کیا اور ان میں سے کسی نے بھی اسکا انکار نہ کیا وہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورہ مائدہ کے اخیر میں فرمایا کہ "قیامت کو جب حضرت عیسٰے علیہ السلام کو سوال ہوگا کہ کیا تمنے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدائے واحد کے سوائے معبود بنالو تو عیسٰے علیہ السلام اپنی برائت کیلئے عرض کرینگے کہ یا الٰہی میںنے تو اُن کو وہی کچھ کہا تھا۔ جو تونے مجھے حکم کیا" اور میں تو

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ (مائدہ)	اُن پر تب تک ہی شاہد رہا۔ جب تک میں

اُن کے بیچ رہا" اس سے معلوم ہوا کہ شاہد کا مشہود علیہم کی جماعت میں ہونا ضروری ہے۔

اب اس آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں دیکھیں کہ اللہ تعالے اُن اہل کتاب

کی نسبت جو عیسے علیہ السّلام کے زمانِ نزول میں اُن پر ایمان لاوینگے فرماتا ہے کہ عیسے

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا

قیامت کے دن انپر شاہد ہونگے۔ پس جب عیسے علیہ السّلام اس اخیر زمانے کے اہل کتاب پر شہادت دینگے تو پہلی آیت کو زیر نظر رکھ کر ثابت ہوا کہ آپ اخیر زمان کے لوگوں میں نزول فرما ہونگے۔ تم و الحمد للہ علے حسن توفیقہ۔

حضرت عیسی السّلام کی اس شہادت سے مرزا صاحب کا اعتراض بھی دُور ہو گیا کہ اگر حضرت عیسے علیہ السّلام زمان اخیر میں نازل ہونگے تو اہل کتاب کے عقائد سے خبردار ہو جائینگے۔ تو پھر جناب باری میں کیوں نہ کہہ دینگے کہ الٰہی جب میں پھر دنیا میں گیا تھا تو اُن کو ایسا ایسا سمجھا دیا تھا۔ ناظرین! آپ تھوڑا سا غور کرینگے تو آپ کو صاف معلوم ہو جائیگا کہ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا میں اسی شہادت کی خبر ہے پس مرزا صاحب کا اعتراض بالکل دور ہو گیا۔

پانچویں آیت۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (مائدہ پارہ ششم)

مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں "مسیح صرف ایک رسول ہے اس سے پہلے نبی فوت ہو چکے ہیں۔ اور ماں اسکی صدیقہ ہے جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے" اس کے آگے پھر لکھتے ہیں "یہ آیت بھی صریح نص حضرت مسیح ع کی موت پر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں تصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب حضرت عیسے ع اور اُن کی والدہ مریم طعام نہیں کھاتے۔ ہاں کسی زمانہ میں کھایا کرتے تھے جیسا کہ کانا کا لفظ اسپر دلالت کر رہا ہے۔ جو حال کو چھوڑ کر گزشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مریم طعام کھانے سے اسی وجہ سے روکی گئی کہ وہ فوت ہو گئی اور چونکہ کانا کے لفظ میں جو تثنیہ کا صیغہ ہے حضرت عیسے ع بھی حضرت مریم ع کے ساتھ شامل ہیں اور دونوں ایک ہی حکم کے نیچے داخل ہیں۔ لہذا حضرت مریم ع کی موت کے ساتھ انکی موت بھی ماننی پڑی۔ کیونکہ آیت موصوفہ بالا میں ہرگز یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت مریم ع تو بوجہ موت طعام کھانے سے روکے گئے۔ لیکن حضرت ابن مریم کسی اور وجہ سے" پیشتر اسکے کہ ہم مرزا صاحب کے استدلال کو غلط ثابت کریں اور اس آیت کی

صحیح تفسیر و مراد بتائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی عبارت منقولہ میں سے علمی اغلاط اور مغالطے ظاہر کریں جس سے معلوم ہوجائے کہ مرزا صاحب اپنی مطلب برآری کے لئے قرآن شریف کے الفاظ اور سیاق و سباق آیت کا ہرگز لحاظ نہیں کرتے اور نہ دیگر علوم کو جو قرآن شریف کی صحیح مراد کو سمجھنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں زیر نظر رکھتے ہیں۔

جناب مرزا صاحب! کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ کا ترجمہ آپنے یہ کیا ہے "جب وہ دونوں زندہ تھے تو طعام کھایا کرتے تھے"۔ حضرت قرآن شریف سے ایسی دل لگی نہیں چاہیئے "جب وہ دونوں زندہ تھے" کس لفظ کے معنی ہیں۔ قرآن شریف کی آیت کا ترجمہ تو ذرہ ہوش اور خوف خدا سے کیا کرو۔ تعجب ہے کہ آپ اس آیت کو موت کے ثبوت کے لئے نص صریح اور تصریح کہتے ہیں۔ کیا علم اصول میں نص اور صریح کی یہی تعریف ہے کہ اس میں مقصود کا ذکر تک نہ ہو۔ مرزا صاحب! یہ کیسا معاملہ ہے کیا آپ ہی علم اصول سے ناواقف ہیں یا عمداً لوگوں کو غلط بیانی سے دھوکا دیتے ہیں۔ فاضل امروہی صاحب! آپنے تو علم اصول پڑھا ہوا ہے برائے خدا آپ ہی بتلائیں کہ یہ آیت حضرت عیسے علیہ السلام کی موت کے لئے نص صریح ہے۔ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ۔ یعنے "شہادت کو چھپاؤ نہیں اور جو کوئی شہادت کو چھپاویگا۔ پس ضرور ضرور اُس کا دل گنہگار ہے"۔

مرزا صاحب! اگر یہ آیت موت پر نص صریح ہوتی تو کیا تیرہ سو برس تک اُمت کے علما و امام اس سے بیخبر رہتے؟ اگر مفہوم کا نام نص صریح ہے تو پھر آپ مفہوم کس کو قرار دینگے اور جہاں سچ مچ تصریح ہوگی اُس کا نام کیا رکھیں گے؟

اب ہم اس آیت کا اصل مطلب بیان کرتے ہیں اور ثابت کر دیتے ہیں کہ مرزا صاحب قرآن شریف کے سمجھنے سے کوسوں دور ہیں۔ قرآن شریف منظوم اور مربوط کلام ہے اسکا کلمہ کلمہ اور آیت آیت ایک دوسرے کے ساتھ عجیب طور پر وابستہ ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ اس سے پہلے کی آیات پر نظر کریں۔ تا ظاہر ہو کہ اس سے مقصود خداوندی کیا ہے سو یہ مضمون یہاں سے شروع ہوتا ہے "بیشک جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تین

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ

میں سے تیسرا ہے اُنہوں نے یہ کفر کا کلمہ کہا

اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (مائدہ پارہ ششم)	اور معبود تو سوائے ایک معبود کے اور کوئی نہیں اور اگر یہ لوگ اس قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب پہنچیگا۔ کیا (یہ لوگ اصرار کرتے ہیں) پس اللہ کی طرف لوٹ کر نہیں آتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے حالانکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہیں ان سے پیشتر کئی رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں صدیقہ ہے وہ تو کھانا کھایا کرتے تھے۔ (اے پیغمبر) دیکھو ہم اُن کیلئے کیسی واضح طور پر اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو یہ لوگ کدھر سے بھٹکے جاتے ہیں"۔

ناظرین! آپ کے ذہن نشین ہوگیا ہوگا کہ ان آیات سے مقصود خداوندی صرف اثبات توحید اور ابطال الوہیت حضرت مسیح ہے نہ کچھ اور۔ اثبات توحید اور تردید تثلیث کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَاحِدٌ یعنے الٰہ تو صرف ایک ہی ہے"۔ کیونکہ الٰہ اُس کو کہتے ہیں جسے غایتِ کمال حاصل ہو۔ اور ظاہر ہے کہ غائت درجے کا کمال صرف ایک ہی ذات میں ہو سکتا ہے۔ متعدد میں نہیں ہو سکتا۔ پس توحید ثابت ہوگئی اور تثلیث باطل۔

اور حضرت مسیح علیہ السّلام کی اُلوہیت کے ابطال میں فرمایا۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ یعنے مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہے (خدا نہیں ہے) اس سے پیشتر کئی رسول گزر چکے ہیں۔ اور اُسکی ماں صدیقہ تھی۔ وہ تو دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علاوہ اسبات کے کہ عیسےٰ علیہ السّلام ایک عورت سے پیدا ہوئے ہیں اسبات سے اُن کی الوہیت کا رد کیا کہ وہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ کھانے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ بدن کی پرورش ہوتی رہے۔ تاکہ کچھ مدت تک بقا حاصل ہو۔ پس جب مسیح علیہ السّلام اور اُن کی والدہ اپنے بقا میں کھانے کے محتاج تھے تو پھر اُن کو معبود ماننا بالکل باطل ہے۔ کیونکہ خدا تو کسی چیز کا محتاج نہیں اور نہ معبود برحق کے لئے کسی چیز کا محتاج ہونا جائز ہے۔ کیونکہ پھر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسے غائتِ کمال حاصل ہے۔ پس مسیح علیہ السّلام اور اُنکی والدہ الٰہ نہیں ہو سکتے ✤

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور آپ کی والدہ صدیقہ کی متعلق

باوجود اُنکے بہت اشیا کے محتاج ہونے کے صرف ایک امر احتیاج طعام کا ذکر کیا ہے وجہ اسکی یہ ہے مقصود صرف احتیاج ثابت کرنیکا ہے نہ حاجتوں کے گننے کا۔ اثبات مدعا کے لئے بطور مثال صرف ایک امر کا بیان کافی ہوتا ہے۔ لہذا سب کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ ناظرین! اس بیان سے آپ یہ بھی سمجھ جائینگے کہ اس ذکر احتیاج کو زندگی یا موت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کیونکہ اسکا ذکر خواہ محتاج کی زندگی میں کیا جائے۔ خواہ اُس کی موت کے بعد مقصود ہر دو حالت میں یکساں حاصل ہے۔ پس مرزا صاحب کا اس آیت کو عیسے علیہ السّلام کی موت کے لئے نص صریح کہنا عجیب قسم کی بے سمجھی ہے

اس آیت میں حضرت مریم علیہا السّلام کا ذکر بھی اسلئے کیا کہ عیسائیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت مریم بھی خدائی کے رتبے تک پائی جاتی ہیں جیساکہ اس سورت کے اخیر میں وارد ہے اَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یعنی "اے عیسی کیا تمنے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوائے مجھے اور میری ماں کو معبود جانو"

پس اس مقام پر حضرت مریم علیہما السّلام کی الوہیت کی تردید کا بھی ساتھ ہی ذکر کیا تاکہ تثلیث کا اچھی طرح ابطال ہوجائے۔ اور توحید ثابت ہوجائے۔ کیونکہ اوپر اللہ تعالی نے ذکر کیا کہ جن لوگوں نے خدائے پاک کو تینوں میں سے تیسرا خدا مانا ہے وہ کفر پر ہیں اور اسکے بعد عیسے علیہ السّلام اور حضرت مریمؑ کی الوہیت کی تردید کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض نصاریٰ کے نزدیک تثلیث کے ارکان یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور عیسے علیہ السّلام اور مریم علیہا السّلام۔ اور جب ثابت ہوگیا کہ حضرت عیسے اور حضرت مریم علیہما السّلام بوجہ محتاج ہونے کے اٰلہ نہیں ہوسکتے تو بس پھر صرف ایک اَللّٰہ ہی باقی رہا۔ جو سچا معبود ہے اور خدائی کے لائق ہے۔ کیا ہی خوب کہا گیا ہے ؎

خدایا جہاں بادشاہی ترا ست زماخدمت آید خدائی ترا ست

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسے علیہ السّلام کے لئے مرتبہ رسالت بیان کیا اور حضرت مریمؑ کے لئے مرتبہ صدیقیت کا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ کو حضرت عیسےؑ اور مریم علیہما السّلام کی نسبت الوہیت کا خیال و وہم اُنکے معجزات و کرامات پر نظر کرنے سے ہوا ہے۔ سو اللہ تعالی نے اسکی تردید اس طرح کی کہ اظہار معجزات و کرامات سے انسان مرتبہ رسالت سے بڑھ نہیں سکتا۔ پس حضرت عیسے علیہ السّلام کو اپنے معجزات

کے رو سے منجملہ دیگر رسولوں کے ایک رسول ہیں۔ اور حضرت مریم بوجہ کرامات صدیقہ ہیں خدا کس طرح بنگئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فرمایا۔ یعنے اس سے پیشتر کئی رسول گزر چکے"۔ اس ذکر سے یہی مقصود ہے کہ جس طرح دیگر پیغمبروں کو خاص خاص معجزات عطا کئے گئے اور وہ ان کے سبب سے خدا نہیں بنگئے۔ بلکہ رسول ہی رہے۔ اسی طرح مسیح علیہ السّلام بھی بوجہ ظہور معجزات خدا نہیں بن سکتے بلکہ صرف رسول ہی ہو سکتے ہیں۔ دیکھو موسےٰ علیہ السّلام کو جو معجزے عطا کئے گئے جو حضرت عیسیٰ ؑ کو نہیں دیئے گئے مثلاً سوٹے کا سانپ بن جانا اور ید بیضا وغیرہ۔ حالانکہ موسےٰ علیہ السّلام کا باذن الٰہی سونٹے کا سانپ بنا دینا حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے باذن الٰہی مردے زندہ کر دینے سے زیادہ عجیب ہے۔ ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ یعنے (اے پیغمبر) دیکھو ہم کس طرح صاف صاف توحید کے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھو یہ لوگ راہ راست سے بھٹکے جاتے ہیں۔ اور باطل پر ضد اور اصرار کرتے ہیں۔ اور حق کو قبول نہیں کرتے"۔

پس ناظرین اصل مقصود اور صحیح مراد اس آیت کی یہ ہے جو بیان کی گئی ہے نہ اس میں عیسےٰ علیہ السّلام کی موت کا ذکر ہے۔ اور نہ کچھ اور مذکور ہے۔ مفسرین علیہم الرحمۃ نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ جو ہمنے کی ہے۔ باقی رہا مرزا صاحب کا یہ استدلال کہ کانا ماضی کا صیغہ ہے۔ اور نیز تثنیہ کا۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں زمان گزشتہ میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور اب نہیں کھاتے۔ اور جس طرح بوجہ موت کے حضرت مریم ؑ کھانے سے روکی گئی ہیں۔ اسی طرح موت ہی سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بھی روکے گئے ہیں"۔ سو یہ استدلال نہایت ہی ضعیف اور مضحکہ اطفال ہے۔ علماء کے نزدیک مرزا صاحب ایسے ہی استدلالات کیوجہ سے ہلکے شمار کئے گئے ہیں۔ اوّل اسلئے کہ کسی امر کے کسی زمانے میں مذکور ہونے سے دوسرے زمانے میں اسکی نفی لازم نہیں آتی بلکہ قاعدہ یہی ہے کہ جس امر کو جس زمان میں ثابت کیا گیا ہے۔ یا اُس کی نفی کی گئی ہے اُسے اُس زمان کے متعلق ویسا ہی جانیں۔ اور باقی زمانوں کے لئے اسکی نسبت دلائل خارجی پر نظر کریں۔ اُنکے رو سے جیسا ثابت ہو ویسا اعتقاد رکھیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے کھانے کی نسبت زمان ماضی کا صیغہ استعمال کرنے کی

وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ لوگ اب عیسےٰ علیہ السّلام کو اُنکے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد کھانے کا محتاج نہیں جانتے لیکن یہ مانتے ہیں کہ زمین پر ہونے کے ایام میں کھاتے تھے پس اگر زمان حال کو بھی ساتھ شامل کیا جاتا تو اُنپر حجت پوری نہیں ہو سکتی تھی لہذا زمان حال کو ترک کر کے زمان ماضی کا ذکر کیا۔ اور اس زمان ماضی میں حضرت مریم علیہا السّلام کو بھی اسلئے ذکر کیا کہ وہ بھی اس کھانے کی احتیاج میں انکی شریک تھیں۔ پس ایک ہی لفظ اور ایک ہی امر سے دونوں کی الوہیت کے وہم کو دور کر دیا لیکن حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا زمان حال میں کھانا۔ سو اس سے اس آیت میں بحث ہی نہیں اور نہ اُسکے ذکر کی ضرورت ہے۔ باقی رہا مرزا صاحب کا یہ لکھنا کہ جس طرح یعنے موت سے حضرت مریم کھانے سے روکی گئی ہیں اُسی طرح یعنے موت سے حضرت عیسےٰ بھی روکے گئے ہیں۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بھی مرزا صاحب کی علو نظر کیوجہ سے ہے۔ مرزا صاحب! آیت میں تو کَانَا یَأْکُلَانِ وارد ہوا ہے اور آپ اُنکے نہ کھا سکنے کی کیفیت کو ایک نہج پر لانیکا استدلال کرتے ہیں عقل تو یہ کہتی ہے کہ کَانَا یَأْکُلَانِ جس میں ان دونوں کی مشارکت وصف کھانا میں صاف مذکور ہے۔ اس میں بھی ایک کیفیت پر ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ تثنیہ کے صیغے سے صرف اتنی مراد ہوتی ہے کہ اس حکم میں فاعل کے ساتھ ایک اور شخص بھی شریک ہے۔ اور اس حکم میں ان دونوں کی کیفیت اور حیثیت خارجی دلائل کے ثبوت پر موقوف ہوتی ہے۔ اسکی نظائر قرآن و حدیث اور ہر زبان کے روزمرہ میں بکثرت ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ کل زید اور بکر میرے پاس دونوں آئے تھے لیکن آج نہیں آئے تو کیا اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جو وجہ زید کے آج نہ آنے کی ہے وہی بکر کے نہ آنے کی بھی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسا استدلال مرزا صاحب کی نازک خیالی کہو تو اور علوم رسمیہ سے ناواقفی کہو تو بہر صورت من گھڑت ہے۔ عقل سلیم اور قواعد مقررہ اس کا انکار کرتے ہیں + حاصل کلام یہ کہ اول تو ضرور نہیں کہ ہم تسلیم کر لیں کہ عیسےٰ علیہ السّلام آسمان پر کھانا نہیں کھاتے کیونکہ یہ کہ سکتے ہیں کہ اُن کو جنت سے کھانا پہنچتا ہے اور اگر مان بھی لیویں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اب کھانا نہیں کھاتے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اب بوجہ آسمانی رہائش کے اور صحبت ملائکہ کے اُن کا مایۂ حیات ذکر و عبادت الٰہی ہے نہ طعام اہل دُنیا۔ پس حضرت مریم علیہا السّلام کا کھانے سے باز رہنا دوسرے سبب سے ہے۔ اور

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا کھانے سے باز رہنا دوسرے سبب سے + پس حضرت عیسےٰ عم کے کھانے سے باز رہنے سے آپ کی موت کا نتیجہ ضروری نہیں۔ کیونکہ کھانے سے باز رہنے کی صورت اور وجہ صرف موت ہی نہیں۔ بلکہ انبیاء علیہم السّلام اور اکابر اولیائے کرام کے لئے ذکر و عبادت الٰہی بھی طعام کا فائدہ دیکر انکے لئے مایہ حیات بن جاتی ہے۔ جیسے نبی صلعم وصال کے روزوں میں کچھ نہ کھاتے تھے اور پھر توانا بھی رہتے تھے۔ چنانچہ اسی کی نسبت فرمایا۔ ابیت عند ربی فھو یطعمنی ویسقینی یعنے میں رات کو اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں پس وہی مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے؟ اس بیان سے مرزا صاحب کا وہ وہم بھی دُور ہو گیا جو اُنکو آیت وَمَا جَعَلْنٰھُمْ جَسَدًا لَّا یَأْکُلُوْنَ الطَّعَامَ میں پڑا ہے۔ تمّ واللّٰہ الموفق۔

قسم اول میں سے چھٹی آیت یہ ہے۔ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا (مریم) یعنے حضرت عیسے علیہ السّلام کہتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم کیا ہے۔ جب تک میں زندہ رہوں گا۔ مرزا صاحب کو اس آیت کے متعلق دو وہم ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیسے علیہ السّلام کو زندگی بھر تک نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہو رہا ہے۔ اور جب وہ آسمان پر زندہ ہیں تو اس حکم کی تعمیل کس طرح کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ عیسےٰ علیہ السّلام کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اور اگر وہ آخری زمانہ میں نازل ہو کر اس اُمت میں داخل ہونگے تو آپکو مسلمانوں کے مطابق نماز پڑھنی پڑیگی۔ اور نتیجہ ان ہر دو وہموں سے یہ نکالتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ پھر ہر دو اعتراض مذکورہ میں سے کوئی بھی عائد نہیں ہوتا۔

ہم ذیل میں ان دونوں وہموں کو دُور کر کے اس آیت کی صحیح تفسیر بیان کرتے ہیں جس سے ناظرین کو علاوہ مرزا صاحب کے استدلال کے ضعیف بلکہ غلط ہونے کے اس امر کا بھی علم ہو جائیگا کہ مرزا صاحب اسرار شریعت سے بالکل ناواقف ہیں۔ ورنہ اُن کو ایسے وہم پیش نہ آتے۔

پہلے وہم کا ازالہ کئی طریق پر ہے۔ اوّل یہ کہ اُن احکام شرعیہ کے مکلف وہ لوگ ہیں جو زمین پر آباد ہیں۔ نہ وہ جو آسمان پر ہیں۔ کیا فرشتے بھی ان ہی احکام کے اسی طرح مکلّف ہیں۔ جس طرح ہم ہیں۔ دوم یہ کہ آسمان پر عبادت کا ہو سکنا کیوں بعید نظر آتا ہے۔ کیا آسمان جائے عبادت نہیں۔ اور شب و روز فرشتے تسبیح و ذکر الٰہی میں مشغول نہیں رہتے۔ اسی طرح اگر عیسےٰ علیہ السّلام بھی ان فرشتوں کی جماعت میں عبادت کریں تو کیا تعجب ہے۔ سوم یہ کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے مراد صدقہ نہ مفروضہ نہیں بلکہ طہارت اور صلاحیت مراد ہے۔ جیسے کہ

اِس سے پیشتر حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے ذکر میں فرمایا وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً یعنے ہم نے یحییٰ (علیہ السّلام) کو اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی۔ اس جگہ تو قطعاً زکوٰۃ سے صدقہ مفروضہ مراد نہیں ہے اور نیز چونکہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی نسبت اس سے پیشتر بشارت دی گئی تھی۔ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ یعنے حضرت جبریل علیہ السّلام نے حضرت مریم علیہا السّلام کو کہا کہ مَیں تیرے پاس اِسلئے آیا ہوں کہ تا تجھے ایک لڑکا عطا ہونے کی بشارت سنا کر اِس بخشش کا ایک نوع کا سبب بن سکوں) اِس لئے اگر اس آیت وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا کے معنے یہ کئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حکم کیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں نماز ادا کرتا رہوں اور پاکیزہ رہوں تو بالکل لغت اور قرآن کے مطابق ہونگے۔ بلکہ اس صورت میں تو قرآن شریف ہی سے اِس کا ثبوت ہے۔ پھر جائے انکار ہی کیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ قرآن شریف میں جہاں کہیں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے۔ اِس جگہ زکوٰۃ سے مراد بھی صدقہ مفروضہ ہوتا ہے۔ نہ کہ لغوی معنے یعنے پاکیزگی۔ تو اِس کا جواب کئی طرح سے ہے۔ اوّل یہ کہ یہ استدلال استقرائی ہے۔ اور استقرائی ظنی دلیل ہوتی ہے۔ یقینی نہیں ہوتی۔ پس اِس سے اِتنا تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ بیشک قرآن شریف میں اکثر جگہ ایسا ہی وارد ہے۔ مگر اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر آوے۔ اُس جگہ خواہ مخواہ صدقہ مفروضہ ہی مراد لیا جائے۔ کیونکہ لغت اور عقل اسکی شہادت نہیں دیتی۔ دوم یہ کہ معترض کے قاعدے کو تسلیم کر کے بھی اِس جگہ زکوٰۃ سے طہارت مراد لینی خلاف محاورہ قرآن شریف نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں نماز کے ساتھ کسی جگہ ایسی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اِسکے سوائے ہے۔ جیسے صدقہ مفروضہ اور کسی جگہ کسی ایسی عبادت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اُس کی جزو اور اُس کی جنس سے ہے۔ مثلاً آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ میں اگر نحر سے مراد قربانی لی جاوے تو یہ پہلی صورت یعنی نماز کے علاوہ زکوٰۃ کی طرح مالی عبادت ہے اور اگر اس سے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا یا رکوع کے وقت رفع یدین کرنا مراد لیا جائے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے تو یہ دوسری صورت یعنے نماز کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ پس جس طرح اِس آیت میں نماز کے ساتھ اُسکے

بعض امروں کا ذکر مستحسن ہے۔ اسی طرح جیسے علیہ السّلام کے حکم کے متعلق بھی نماز کے ساتھ طہارت وصلاحیت کا ذکر ممنوع نہیں۔ کیونکہ طہارت و پاکیزگی نماز کے لئے ضروری اور شرط ہے۔

اور زکوٰۃ کے دوسرے معنے یعنی صلاحیت تو نماز کے ساتھ بہت ہی چسپاں ہیں۔ کیونکہ صلاحیت اور صلوٰۃ میں عموم و خصوص کی نسبت ہے۔

اِس آیت میں زکوٰۃ سے مراد جو طہارت وصلاحیت بتائی گئی ہے۔ اِس کو تاویل نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ زکوٰۃ کے لغوی معنے ہی یہی ہیں۔ جیساکہ قاموس میں ہے

(قال صاحب القاموس والزکوٰۃ صفوۃ الشئ وما اخرجتہ من مالک لتطھرہ بہ وقال صاحب المصباح زکا الرجل یزکوا اذا اصلح وقال اللہ صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا فخم التزکیۃ بالتطھیر وقال صاحب الصراح زکوٰۃ تزکیۃ زکوٰۃ دادن وپاکیزہ کردن وستودن خود را وزکوٰۃ از کسے گرفتن قولہ تعالے تزکیھم ای تطھرھم انتھٰی مافی الصراح)

کہ زکوٰۃ کسی شئے کے صاف کرنے اور اُس شئ کو کہتے ہیں جو پاک صاف کی گئی ہو۔ اور جو کچھ مال میں سے پاکیزگی کے لئے نکالا جائے اور مصباح میں ہے کہ زکا الرجل کے معنے یہ ہیں کہ وہ مرد صلاحیت والا ہو گیا اور فرمایا اللہ تعالے نے کہ اے پیغمبران سے صدقہ لو جس سے تم اُن کو پاک صاف کرو۔ اور صراح میں ہے کہ تزکیہ کے معنے زکوٰۃ دینے اور پاک کرنے اور اپنے آپ کو سراہنا اور کسی سے زکوٰۃ لینا ہیں۔ جیسے کہ قرآن شریف میں ہے۔ تزکیھم یعنے اُن کو پاک کرے"۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ لغت میں زکوٰۃ کے معنے پاکیزگی اور صفائی کے ہیں اور شریعت میں جو اِس سے ایک مخصوص مالی عبادت مراد رکھی گئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عبادت طہارت و پاکیزگی کا سبب بنتی ہے یعنی بخل اور مال کی محبت سے دل پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ لغوی اور منقولی مضمون میں مناسبت ضرور ہوتی ہے۔ پس بیان بالا سے واضح ہو گیا کہ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ میں زکوٰۃ سے طہارت وصلاحیت مراد لینی لغت اور قرآن شریف کے بالکل مطابق بلکہ موئّد بالقرآن ہیں۔

اس اعتراض کا تیسرا جواب جو بہت معقول اور محکم ہے یہ ہے کہ اگر اس آیت زیر

بحث میں زکوٰۃ سے صدقہ مفروضہ مراد بھی لیویں تو بھی اس سے مرزا صاحب کی مراد کے موافق عیسےٰ علیہ السّلام کی وفات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ علم اصول کا مسلّم قاعدہ ہے کہ امر کی تعمیل اُسوقت واجب ہوتی ہے۔ جب اُس کی شرائط پائی جائیں۔ اور شرطیں موجود نہ ہونے کی صورت میں واجب نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے نصاب یعنے اِتنا اور ایسا مال جو وجوب کی حد تک پہنچ جائے شرط ہے۔ پس جب عیسےٰ علیہ السّلام آسمان پر مالک نصاب نہیں تو اُن پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ غور و فکر کو کام میں لائیے۔ اور انصاف کیجئے کہ عیسےٰ علیہ السّلام پیدا ہونے کے ساتھ ہی باذن الٰہی اِس امر کو ظاہر کر رہے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے زندگی تک نماز پڑھنے اور زکوٰۃ کا حکم کیا ہے کیا آپ پر اِسوقت بھی نماز اور زکوٰۃ فرض تھے۔ کیونکہ بچپن بھی تو زندگی میں داخل ہے۔ پس جس طرح آپ عیسےٰ علیہ السّلام پر بچپن میں اس حکم کی تعمیل واجب نہیں جانتے۔ اسی طرح آسمان پر بھی اس حکم کی تعمیل اُن پر واجب نہیں باقی رہا مرزا صاحب کا یہ وہم کہ عیسےٰ علیہ السّلام کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اور اگر وہ آخری زمانہ میں نازل ہونگے تو اس اُمت میں داخل ہونگے۔ تو آپ کو مسلمانوں کے مطابق نماز پڑھنی پڑیگی۔ سو اِسکا ازالہ اس طرح ہے کہ مرزا صاحب جب تک انجیلی اور قرآنی نماز میں فرق ثابت نہ کریں تب تک ان کو اس اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ قرآن شریف میں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی نماز کے ارکان قیام رکوع اور سجود بتائے گئے ہیں اور یہی ارکان حضرت مریم کی نماز کے بتائے گئے ہیں۔ جیساکہ تیسرے پارے میں ذکر ہے ”کہ اَے مریم اپنے پروردگار کیلئے قیام کر اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے“ پس قرآن شریف سے تو پہلی

> یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (آل عمران)

اُمتوں کی نماز اور ہماری اُمت کی نماز میں تو کوئی فرق ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر مرزا صاحب اپنے الہام سے فرمادیں تو یہ دیگر امر ہے ۔ دوم یہ کہ اگر بالفرض انجیلی نماز اور قرآنی نماز میں کسی نوع کا فرق بھی ہو تو کوئی ڈر نہیں۔ کیونکہ دین کا اصل توحید ہے اور عبادت اسکا ایک عملی نشان ہے۔ اسکے لئے ضروری نہیں کہ ہر نبی کے زمانہ میں اسکی ایک ہی کیفیت پائی جائے۔ بلکہ جس کیفیت سے خدا تعالےٰ چاہے اپنی عباد

کے لئے حکم دے۔ پس اگر عیسےٰ علیہ السّلام نزول کے بعد انجیلی کیفیتِ عبادت کو بوجہ اُسکے منسوخ ہوجانے کے ترک کریں اور شریعت محمدی کی کیفیت سے نماز ادا کریں تو اس میں کیا جائے اعتراض ہے۔ اِسکی نسبت تو اللہ تعالےٰ نے شریعت موسوی اور شریعت عیسوی کے ذکر کے بعد صاف فرمادیا ہے کہ "ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ طریقہ اور شریعت مقرر کی ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک شریعت پر کردیتا مگر اس میں ایک حکمت ہے کہ تم کو ہر زمانہ میں اپنی فرمودہ شریعت کی تعمیل کی بابت آزمادے پس تم نیکیوں میں بڑھو (اور اِدھر اُدھر کی باتیں چھوڑ دو)"۔

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن لیبلوکم فیما اٰتٰکم فاستبقوا الخیرات (مائدہ)

اِس آیت سے دو مفید امر حاصل ہوتے ہیں۔ جنکا ذکر اس مقام پر چھوڑنا گویا ناظرین کو موقع پر بڑے بھاری فائدے سے محروم کرنا ہے **اول** نسخ کی حقیقت کہ کس امر میں نسخ واقع ہوتا ہے۔ **دوم** نسخ کی حکمت کہ کیوں کیا گیا ؛

نسخ۔ اصول دین میں نہیں ہوتا۔ اور نہ ہوسکتا ہے۔ ہاں دستور العمل۔ ضابطے اور قانون اور عبادت کی کیفیت میں ہر زمانے کے لوگوں کے لئے اُن کی حالت کے مناسب اگر تبدیلی کیجائے تو اُس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ عین حکمت ہے۔ نسخ میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ سچے مطیع دوسروں سے متمیز ہوجاتے ہیں۔ اور فرمانبرداری کے حاوی حیلے بہانے کرنیوالوں سے الگ ہوپڑتے ہیں۔ عبادات کی کیفیتوں میں فرق ہونے سے کوئی بھی قباحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ جب خود عبادت کئی انواع پر ہے تو اُسکی انواع کی کیفیت کے فرق میں کیا اعتراض ہے۔ یہ ایک بہت باریک راز ہے۔ جس سے ہمارے مرزا صاحب بیخبر معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ایسا اعتراض نہ کرتے۔ پس اس آیت سے مرزا صاحب کی مراد کے موافق حضرت مسیح علیہ السّلام کی وفات ثابت نہ ہوسکی اور نہ اُنکے نزول کے انکار کی کوئی وجہ نکل سکی۔ کیونکہ اس کی بنا صرف انہی دو وہموں پر تھی جن کا ازالہ ہوچکا ہے۔

قسم اوّل میں سے **ساتویں** آیت یہ ہے وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔ یعنے حضرت مسیح ؑ کہتے ہیں کہ میں جسدن پیدا ہوا ہوں اُسدن بھی

مجھ پر سلام ہے۔ اور جس دن مرونگا اُسدن بھی۔ اور جس دن میں پھر زندہ کھڑا کیا جاؤنگا اُسدن بھی"۔

اس آئیت کے متعلق مرزا صاحب یوں ارقام فرماتے ہیں "۔ اس آئیت میں واقعات عظیمہ جو حضرت مسیح کے وجود کے متعلق تھے۔ صرف تین بیان کئے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعات صحیحہ میں سے ہیں۔ تو ان کا بیان بھی ضروری تھا۔ کیا نعوذ باللہ رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الٰہی نہیں ہونا چاہیئے تہا۔ سو اس جگہ پر خدا تعالےٰ کا اس رفع اور نزول کو ترک کرنا جو مسیح ابن مریم کی نسبت مسلمانوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے۔ صاف اسبات پر دلیل ہے کہ وہ خیال ہیچ اور خلاف واقع ہے بلکہ وہ رفع یَوْمَ اَمُوْتُ میں داخل ہے۔ اور نزول سراسر باطل ہے"۔ انتہےٰ۔

مرزا صاحب کے اس **وہم کا ازالہ** دو طریق سے ہے اوّل یہ کہ سب عقلاء کی نزدیک مسلّم ہے اور معقولات میں مصرح ہے کہ کسی امر کے مذکور نہ ہونے سے اُسکے وقوع کی نفی نہیں کر سکتے۔ اور قرآن و حدیث میں بلکہ ہر شخص کے روز مرہ میں اسکی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ یہ آپ کی نئی منطق ہے کہ کسی امر کے مذکور نہ ہونے سے اُسکے عدم وقوع کا نتیجہ نکالتے ہیں۔ ہاں اگر قرآن شریف میں رفع کا ذکر مطلقاً کہیں بھی نہوتا تو بھی آپ کہہ سکتے تھے۔ مگر جب دوسرے مقام پر اس کی تصریح موجود ہے تو اس سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ تصریح کو چھوڑ کر خلاف عقل و نقل خود ساختہ قاعدے سے تمسک کرنا اتباع ہوئے اور تفسیر بالرائے نہیں تو پھر تفسیر بالرائے اور خواہش کی تابعداری کسے کہینگے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اور مریم علیہا السّلام ہی کے ذکر میں فرمایا۔ کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ یعنے وہ دونوں کھانے کے محتاج تھے"۔ تو صرف طعام کی احتیاج کے مذکور ہوتے اور کسی اور احتیاج کے مذکور نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکل نہیں سکتا کہ وہ کسی اور چیز کے محتاج نہ تھے؟

مرزا صاحب کے قاعدے کے مطابق تو یہاں احتیاج کی جمیع جزئیات اور جملہ انواع شمار کر دینی چاہئیں کیونکہ اس جگہ ان کے محتاج ہونیکا ذکر کیا گیا ہے۔

دوم یہ کہ آیات اِنِّی مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ باواز بلند مسیح علیہ السّلام کے رفع جسمانی کو ثابت کر رہی ہیں۔ اور آیت وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ الایہ اُن کے نزول کی شہادت دے

رہی ہے تو اَب دوسرے مقام پر اس کے مذکور نہ ہونے سے کیا حرج لازم آیا اور ان تصریحات کے مقابلے میں مرزا صاحب کو اِس عدم ذکر سے انکار کا حق کس طرح حاصل ہوا۔ ثبوت رفع جسمانی کے لئے دیکھو شہادت القرآن حصّہ اول یعنے باب اول اور ثبوت نزول کے لئے دیکھو حصّہ دوم یعنے باب ثانی صفحہ ۲۴ سے ۳۴ تک۔ بذیل چوتھی آیت یعنے وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الایہ

سوم یہ کہ آیت زیر بحث سے پیشتر رفع کا ذکر موجود ہے۔ جو مرزا صاحب کو قرآن کریم میں تدبّر نہ کرنے کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکا۔ چنانچہ فرمایا وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ یعنے جیسے علیہ السّلام کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبارک کیا ہے۔ جہاں کہیں میں ہوں"۔ اس آیت کی تفسیر باب اول صـ۱۳۳ میں گزر چکی ہے۔ کہ لغت میں برکت کے معنے خیر کثیر یعنے بہت سی بھلائی اور علو یعنے بلندی ہے۔ جیسا کہ آیات ذیل سے بھی ثابت ہے۔ لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (مائدہ) یعنی ہم اُن پر آسمان و زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے"۔ اور فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ اور فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ اور تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ میں برکت سے مراد علو اور بلندی ہے۔ برکت کے یہ دونوں معنے حضرت عیسٰے علیہ السّلام میں باحسن وجہ پائے جاتے ہیں۔ خیر کثیر تو مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے اور نزول مائدہ یعنے آسمان پر سے تیار کھانا اُترنے کی دعا کے قبول ہونے سے ظاہر ہے اور وہ برکات و خیرات جو آپکے نزول پر ہونگی۔ مثلاً دشمنی اور بغض اور حسد کا دور ہو جانا اور مال کا کثرت سے ہو جانا اور پھلوں اور دودھ کا معمول سے زیادہ ہو جانا جو صحیح مسلم میں وارد ہے۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ اور دوسرے معنی یعنے بلندی آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں بالتصریح مذکور ہے۔ پس جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ میں ہر سہ اقوال قبل رفع اور زمان رفع اور بعد نزول مذکور ہیں۔ اسی لئے اَیْنَ مَا كُنْتُ جس کے معنوں میں بہت وسعت ہے فرمایا میں اس آیت سے رفع آسمانی ثابت کرنے میں اکیلا نہیں ہوں اور نہ یہ کوئی تفسیر نئی ہے۔ بلکہ پچھلی تفسیروں میں مفسرین برابر لکھتے چلے آئے ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر و تفسیر سراج منیر)

اِس بیان سے ثابت ہوا کہ اس آیت سے عیسٰے علیہ السّلام کے رفع و نزول سی

انکار کرنا محض جہالت ہے۔ چہ جائکہ اُس کو دلائل وفات میں پیش کیا جائے۔
اس مقام پر عیسٰے علیہ السّلام کی بعض برکتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور چونکہ مرزا صاحب بھی مدعی عیسویت ہیں اِسلئے مناسب ہے کہ آپ کے ظہور پر جو کچھ برکتیں ظاہر ہوئیں اُن کا بھی کچھ ذکر کیا جائے تاکہ ایک سوچنے والے کے لئے دونوں میں مباینت بلکہ ضدیت کی نسبت ظاہر ہو:۔

نمبر	عیسٰے علیہ السّلام کی برکتیں	نمبر	مرزا صاحب کی شامتیں
۱	دشمنی۔ حسد اور بُغض کا دور ہوجانا جیساکہ صحیح مسلم میں مروی ہے۔ وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ۔	۱	ہندوستان کے عام باشندوں خصوصاً مسلمانوں میں دشمنی اور حسد اور بُغض کی آگ لگ جانی اور ایسی عداوت کا پیدا ہوجانا جس سے ایک دوسری سے جدائی اور قطع تعلق بلکہ قطع رحم نتائج نکل رہے ہیں ÷
۲	مال کا کثرت سے ہوجانا۔ حتےٰ کہ زکوٰۃ کے قبول کرنے والے نہیں ملیں گے (صحیح بخاری و صحیح مسلم) وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ اَحَدٌ	۲	مسلمانوں کا سخت محتاجی اور فقر کی حالت میں ہونا۔ اور اگر ایک شخص خیرات کا دروازہ کھولے تو اس کثرت سے فقرا کا جمع ہوجانا کہ اُسے دروازہ بند کرنا پڑے اور بعض کا افلاس کے مارے بیدینی کی طرف مائل ہوجانا۔
۳	دلوں میں آخرت کی تیاری کی فکر اور دُنیا سے بے رغبتی کا پیدا ہوجانا (صحیح مسلم) حَتّٰى تَكُونَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا	۳	لالچ اور طمع نفسانی کا بڑھ جانا۔ حتےٰ کہ حلال و حرام کی تمیز نہ رہنا۔ رشوت ستانی اور خیانت اور غبن کا کثرت سے وقوع میں آنا۔ اور بعض کا لالچ کے مارے بیدینی اختیار کرلینا۔ عاقبت کو بھلادینا اور دنیوی فائدوں کو پیش نظر رکھنا۔

۴	کثرت سے بارش ہونا اور دودھ اور پھلوں کا معمول سے زیادہ ہونا۔ اور جو امر عام خلق اللہ کے حق میں مضر ہوں اُنکا رُک جانا۔	۴	خشک سالی اور ہر جنس کی گرانی خصوصًا گھی دودھ کا کم ہوجانا اور آئے دن نئی بیماریاں اور وبائیں اور طاعون اور زلزلے اور اور بہت سی مصیبتیں۔ دُنیا میں عام طور پر بدامنی اور بے آرامی کا ہونا۔

قسم اول کی سب آئیتوں کا بیان ہوچکا اب قسم دوم کی آئیتیں ذکر کی جاتی ہیں :۔

قسم دوم۔ میں وہ آئیتیں ہیں جو مرزا صاحب کے خیال میں عموماً دیگر انبیا علیہم السّلام کی وفات پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اس نظر سے کہ مسیح علیہ السّلام بھی ایک نبی ہیں لہذا وہ ان آئیتوں کے حکم میں داخل ہیں۔ ایسی سب آئیتوں کے جواب لکھنے کے لئے تمہیدی طور پر علم اصول کے دو قاعدے بیان کرنے ضروری ہیں۔ جن سے معلوم ہوجائیگا۔ کہ مرزا صاحب قواعد علم اصول سے کسقدر دُور چلتے ہیں۔ اور اپنی مطلب برآری کے لئے اس علم کو کیسے بھلا دیتے ہیں۔

پہلا قاعدہ یہ ہے کہ ایک امر صراحت کے ساتھ منطوق عبارت سے ثابت ہو تو اسکے خلاف کسی عبارت میں سے بطور اشارہ یا دلالت استدلال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مقابلے کے وقت منطوق کا اعتبار مفہوم پر مقدم ہوتا ہے۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی امر کسی خاص دلیل سے ثابت ہو تو اسکے خلاف عام دلیل سے تمسک کرنا جائز نہیں۔ یہ دونوں قاعدے نہایت معقول ہیں اور علم اصول کی کتابوں میں ان کی تصریح موجود ہے۔ پس اُنکے متعلق زیادہ تفصیل اور نقل عبارات کی ضرورت نہیں۔

قسم دوم میں سے پہلی آیت یہ ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۔ "یعنی محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک رسول ہیں ان سے پیشتر کئی رسول ہو چکے ہیں۔ پس اگر یہ فوت ہوجائے یا مارا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ کر (بیدین ہو) جاؤ گے"۔

اس آیت سے مرزا صاحب نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ جب محمد صلعم سے پہلے

رسول سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ تو بس مسیح علیہ السّلام بھی ان میں آ گئے"۔

اِس آیت کے جواب کے لئے چار امروں کی تحقیق ضروری ہے۔ اوّل تحقیق لفظ خلت کہ لغت میں اِسکے کیا معنے ہیں۔ دوم مِنْ قَبْلِہٖ بترکیب نحوی کیا واقع ہوا ہے۔ سوم الرُّسُلُ کا الف لام کیسا ہے۔ چہارم اگر ان ہر سہ امور کو مرزا صاحب کی مراد کے موافق تسلیم بھی کر لیویں تو کیا اس آیت سے حضرت مسیح علیہ السّلام کی وفات ثابت ہو سکتی ہے۔

تحقیق لفظ خلت خلت مشتق ہے خلو سے۔ اور موضوع ہے مکان کی صفت کیلئے اور مراد اِس سے جگہ کا خالی کرنا ہے۔ چنانچہ **لسان العرب** میں ہے۔

(خلا) خلا المکان والشئ یخلو خلواً وخلاءً واخلی اذا لم یکن فیہ احد ولا شئ فیہ وھو خال۔ اسی طرح **قاموس** اور **صراح** میں بھی ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی نقل مکان کیلئے آیا ہے جیسے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ یعنے جس وقت یہ منافق اپنے بڑے شیطانوں یعنے رئیسوں کے پاس جاتے ہیں اور اسی طرح اسی آیت زیر بحث سے تھوڑا سا پیشتر ہے وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ۔ یعنے منافق لوگ جس وقت تم سے الگ ہوتے ہیں تو تم پر غیظ و غضب کے مارے اپنے پوٹے کاٹتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ آیت ہے فخلوا سبیلھم یعنے مشرک لوگ جب ایمان لے آویں اور احکام اسلامی کے پابند ہو جائیں تو ان کا رستہ خالی کر دو۔ یعنے اُن سے تعرض نہ کرو۔

اِن سب آیات میں ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جانا ہے۔ جسے انتقال مکانی کہتے ہیں۔ دوسرے معنے لفظ خلو کے جو زمانے کے متعلق ہوتے ہیں گزرنا ہیں۔ جیسے آیت بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ یعنے جو کچھ تمنے ایام گزشتہ میں کیا اسکے عوض میں جنت کی ان نعمتوں میں رہو"۔ اور ہر ذی علم سمجھ سکتا ہے کہ گزرنا زمانے کی صفت بالذات ہوا کرتی ہے۔ اور جن چیزوں پر زمانہ گزرتا ہے۔ یہ معنے یعنے گزرنا بعلاقہ ظرفیت و مظروفیت ان چیزوں کی صفت بھی ہو سکتا ہے۔ مگر بالذات نہیں بلکہ بالعرض۔ پس بہر تقدیر آیت زیر بحث کے معنے یہ ہونگے"۔ کہ جگہ خالی کر گئے ہیں اور گزر چکے ہیں۔ پیشتر اسکے کئی رسول"۔ اور یہ معنے زندوں اور مردوں ہر دو پر آ سکتے ہیں۔ کیونکہ جگہ خالی کرنے اور گزرنے کی کیفیت صرف موت ہی میں منحصر نہیں۔ بلکہ یہ لفظ یعنے خلو مُردوں کے حق میں

انتقال بالموت کے معنوں میں معیّن ہوگا اور زندوں کے حق میں جگہ تبدیل کرنے کے معنوں میں۔ جس طرح ہم کہا کرتے ہیں کہ اس شہر میں ایسے حاکم کئی ہو گزرے ہیں"۔ پس جس طرح یہ جملہ خواہ وہ حاکم مرگیا ہو خواہ وہاں سے تبدیل ہوکر دوسری جگہ چلا گیا ہو۔ ہر دو حال میں صحیح المعنے رہتا ہے۔ اسی طرح آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ میں حضرت مسیح علیہ السّلام کے حق میں بدلالت آیت بَلْ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ وغیرہ دوسرے معنے یعنے جگہ کے تبدیل کرنے میں مُعیّن ہوگا۔

خلوّ کے معنے مرنا اور معدوم ہونا نہیں۔ کیونکہ پھر آیات سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ اور آیت وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلاً میں تناقض واقع ہوگا۔ کیونکہ بموجب مذہب مرزا صاحب پہلی آیت کا مفاد یہ ہے کہ سنت اللہ معدوم ہوچکی ہے۔ اور دوسری آیت کا یہ کہ سنت الٰہی تبدیل بھی نہیں ہوسکتی۔ یعنے اُسے ہمیشہ کے لئے اپنے حال پر بقا حاصل ہے۔ پس خلت سے موت اور عدم مراد سمجھنا بالکل باطل ہیں۔

امر دوم یعنے مِنْ قَبْلِہِ کو مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے الرسل کی صفت بنایا ہے۔ چنانچہ اسکے معنے یہ کرتے ہیں"۔ کہ جو پیغمبر محمد صلعم سے پیشتر تھے وہ مرگئے" یہ اُن کی صریح غلطی ہے۔ اور علم نحو سے ناآشنا ہونے یا دیدہ دانستہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کی صاف شہادت ہے۔ کیونکہ آیت میں مِنْ قَبْلِہِ لفظ الرُّسُلُ پر مقدم ہے اور مبتدی بھی جانتے ہیں کہ موصوف صفت سے پہلے ہوتا ہے۔ پس مرکب من قبلہ لفظ الرسل کی صفت نہیں ہوسکتا بلکہ محل ظرف میں واقع ہے۔ اور متعلق ہے فعل خلت کے کیونکہ ظرف کے لئے ضروری ہے کہ کسی فعل کے متعلق ہو۔ پس آیت کے معنے یہ ہونگے۔ کہ اس سے پیشتر کئی رسول گزر چکے"۔

امر سوم۔ یعنے الرسل کے الف لام کی تحقیق اِس طرح ہے کہ مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب امروہوی اِس الف لام کو استغراقی قرار دیتے ہیں اور اس بنا پر اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر کے سب رسول فوت ہوچکے ہیں۔ اور مسیح علیہ السّلام بھی اِن میں کے ایک ہیں لہذا وہ بھی فوت ہوچکے ہیں"۔ فاضل امروہی اور مرزا صاحب کے اس قیاس کی بنا غلط مقدمات پر ہے۔ اور اِس الف لام کو استغراقی قرار دینے میں اُنہوں نے سخت غلطی کھائی ہے

اوّل اسوجہ سے کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ کہ مِنۡ قَبۡلِہٖ فعل خلت کے متعلق ہے اور الرُّسُلُ کی صفت نہیں ہے۔ پس یہی ترکیب اِس الف لام کے استغراقی نہ ہونے کے لئے کافی حجت ہے۔ کیونکہ اگر مِنۡ قَبۡلِہٖ کو خَلَتۡ کے متعلق ظرف ٹھیرائیں جو بالکل درست ہے اور الرُّسُلُ کے الف لام کو استغراقی مانیں جو بالکل غلط ہے۔ تو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اندرین صورت پہلے قضیہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ کے خلاف رسول اللہ صلعم جماعت مرسلین سے خ... ریج ہونگے۔ کیونکہ پھر تو اس آیت کے یہ معنے ہونگے۔ کہ جتنے اشخاص صفت رسالت سے موصوف تھے وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر فوت ہو چکے ہیں۔ پس آپ معاذ اللہ رسول برحق ثابت نہ ہونگے۔ اور ظاہر ہے کہ جس معنے سے قرآن شریف کی آیات میں تعارض واقع ہو خصوصاً کسی نبی برحق کی رسالت کا انکار لازم آتا ہو وہ معنے بالکل باطل ہیں۔ دیگر یہ کہ یہی الفاظ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ سورت مائدہ میں حضرت عیسے علیہ السّلام کے حق میں دربارہ نفی الوہیت وارد ہوئے ہیں۔ پس اگر جہالت سے الف لام کو استغراقی مانا جاوے تو لابد تسلیم کرنا پڑیگا کہ رسول اللہ صلعم اس آیت کے نزول کے وقت فوت ہوگئے ہوئے تھے۔ اور یہ بالکل باطل ہے۔ یا معاذ اللہ انکار نبوت محمدی وعیسوی لازم آئیگا۔ جیساکہ پہلے گزر چکا۔ کیونکہ اِس صورت میں معنی یہ ہونگے۔ کہ سب رسول حضرت عیسے علیہ السّلام سے پیشتر فوت ہوگئے ہیں۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلعم حضرت مسیح علیہ السّلام کی رفع کے بعد کئی زمانے بعد پیدا ہوئے اور شرف نبوّت سے ممتاز ہوئے۔ اور اس آیت کے نزول کے وقت زندہ موجود تھے۔ کیونکہ یہ آیت آپ ہی پر اُتری ہے یہ ایک دقیق نکتہ ہے اسکا ادراک کسی علم نحو کے مذاق سے خالی اُردو خوان کا کام نہیں ہے۔ تنبیہ۔ اس تقریر کے جواب میں جلدی کر کے مِنۡ قَبۡلِہٖ کو الرُّسُلُ کی صفت نہ کہہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ اسکا ابطال ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں۔

دوسری وجہ۔ جس سے الرُّسُلُ کے الف لام کو استغراقی کہنا غلط ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔ کہ اِس آیت میں وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ الآیۃ کا شان نزول یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت **جنگ احد** میں غلط خبر اُڑ گئی کہ آپ شہید ہوگئے اور بعض لوگوں نے نبوت اور موت میں منافات سمجھی اور ارتداد کا رستہ اختیار کرنے لگے۔ اللہ تبارک وتعالے نے اُنکے خیال کو باطل ثابت کرنے کے

Pr09:152478, H1.6432-1

لئے یہ آیت نازل فرمائی اور ظاہر کر دیا کہ نبوت اور موت میں منافات نہیں۔ کیونکہ جس طرح دیگر رسولوں کے حق میں اُن کے مرجانے سے اُن کی نبوت میں کوئی قدح واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر آنحضرت صلعم بھی طبعی موت سے فوت ہوجائیں اور یا میدان جنگ میں شہید ہوجائیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ آپ نبی برحق نہیں ہیں پس چونکہ اس آیت سے اللہ تعالے کا مقصود یہ ہے کہ نبوت اور موت میں منافات نہیں ہے۔ اسلئے استغراق افراد یعنے سب رسولوں کو فوت شدہ ذکر کرنیکی کوئی ضرورت نہیں صرف ایک رسول یا چند رسولوں کی موت کے ذکر سے مقصود حاصل ہوسکتا ہے پس الرُّسُلُ کا الف لام استغراق کا نہیں ہے۔ بلکہ اسکے معنے یہ ہیں۔ کہ اس سے پیشتر کئی رسول ہوچکے ہیں۔ اور الف لام جنسی ہے۔ کیونکہ اسم پر الف لام داخل ہوکر ہمیشہ استغراق افراد کا فائدہ نہیں دیتا۔ بلکہ تین معانی میں سے کسی معنے میں ہوتا ہے۔ عہد۔ استغراق اور تعریف جنس۔ جیساکہ علم نحو کے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ الرُّسُلُ کا الف لام عہدی اسلئے نہیں کہ اس سے اوپر ان رسولوں کا ذکر نہیں ہے اور اسکے استغراقی نہ ہونے کے لئے مِنْ قَبْلِ اور شانِ نزول کا مانع ہونا بیان ہوچکا ہے۔ پس بقاعدہ تردید دوران جنسی ہوا اور یہی ہماری مراد ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ الف لام جمع کے صیغے پر جب کبھی آتا ہے تو مفید استغراق ہی ہوتا ہے جیساکہ مرزا صاحب اور فاضل امروہوی صاحب گمان کرتے ہیں۔ تو یہ قواعد نحو سے ناواقفی کا نتیجہ ہے جیساکہ ہمنے اوپر ثابت کر دیا ہے کہ الف لام اسم پر داخل ہوکر تین فائدے دیتا ہے۔ یا استغراق کا یا جنسیت کا یا عہد کا جمع پر الف لام کے ہمیشہ استغراقی نہ ہونے کے لئے آیت وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ کو غور سے پڑھنا چاہئے کہ یہی لفظ الرُّسُلُ بصیغہ جمع با الف ولام موجود ہے۔ اور یہاں استغراق افراد قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ موسے علیہ السّلام کو ہمنے کتاب دی۔ اور اسکے پیچھے اسکے آئین پر کئی رسول بھیجے۔ نہ یہ کہ سب رسول حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد بھیجے گئے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے۔ کہ حضرت موسےٰ سب سے پہلے رسول نہیں ہیں بلکہ کئی رسول آپ کے پہلے ہوئے اور کئی آپ کے بعد۔ پس ہر دو آیت میں الرُّسُل سے مراد کئی پیغمبر ہیں نہ کہ سارے۔ فافہم +

اسی طرح قرآن شریف میں کئی مقام پر جمع کا لفظ الف ولام کے ساتھ آیا ہے اور وہاں استغراق افراد مراد نہیں بلکہ کثرت کے معنے ہیں۔ جیسے اذ جاءتھم الرسل (حم سجدہ) اور وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ المثلٰت میں خلت اور مِنْ قَبْلِ اور المثلٰت صیغہ جمع با الف لام سب کچھ موجود ہے اور مرزا صاحب اور فاضل امروہی صاحب کی تحقیق ان سب کے خلاف ہے۔

اِس آیت کے متعلق مرزا صاحب نے ایک اور گُل کھلایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ اگر نبی کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ضروری ہے تو کوئی ایسا نبی پہلے نبیوں میں سے پیش کرو جو آجتک زندہ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر دلیل جو خدا تعالیٰ نے پیش کی صحیح نہیں ہوگی۔ انتہے"

مرزا صاحب! یہ نئی منطق کہاں سے پڑھی۔ کیا الہام سے تو نہیں سیکھی؟ آپ ہر علم دینی و دنیوی میں تجدید کرتے ہیں۔ خواہ اُسے جانیں یا نہ جانیں۔ ایسی منطق سے تو آپ نے معلم اول (ارسطو) اور معلم ثانی (ابو نصر فارابی) اور ابو علی سینا کو بھی مات کر دیا۔

حضرت! واقعہ اور لوگوں کے گمان کو زیر نظر رکھ کر آیت کی صحیح مراد یہ ہے کہ میدان جنگ میں نبی صلعم کی شہادت کی خبر سُنکر بعض لوگوں نے نبوت اور موت میں منافات کا گمان کرکے ارتداد کی راہ اختیار کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کے زعم کی تردید میں نازل کی۔ پس اسکا ماحصل یہ ہوا کہ اگر رسالت اور موت میں منافات ہوتی تو کوئی رسول بھی نہ مرتا۔ کیونکہ جب مقصود یہ ہے کہ وصف رسالت اور موت میں منافات کے گمان کو دور کیا جائے تو خواہ ایک رسول فوت شدہ کو بطور نظیر پیش کریں۔ خواہ زیادہ کو بہر دو صورت مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ پس آپ کا یہ وہم کہ اگر مسیح ابن مریم زندہ ہے تو پھر دلیل صحیح نہیں ہوگی"۔ باطل ہے۔ اسلئے کہ جب کئی رسول فوت ہوجائیں اور ایک زندہ رہے تو اس کا زندہ رہنا دوسرے کی زندگی کے لئے علت موجبہ نہیں ہوسکتا۔ اور نہ وصف رسالت اور موت میں منافات ہوسکنے کی وجہ بن سکتا ہے۔ بلکہ اس سے تو منافات کا ابطال صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر منافات ہوتی تو کوئی شخص بھی جو وصف رسالت سے موصوف ہو نہ مرتا۔ حالانکہ ایسے کئی شخص جو اس صفت سے موصوف ہیں مرچکے ہیں +

اس بیان سے یہ بھی واضح ہو کہ قضیہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کلیہ نہیں ہے بلکہ مہملہ ہے۔ جو جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس امروہوی صاحب نے جو منطقی[1] طور پر اس آیت سے حضرت عیسے علیہ السّلام کی وفات ثابت کرنی چاہی ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ شکل اوّل کے انتاج کے لئے کلیہ کبرے شرط ہے۔ جیساکہ کتب منطق میں مصرح ہے وشرط انتاجہ ایجاب الصغریٰ وکلیۃ الکبریٰ۔ پس جب شکل اول کے رو سے قیاس کے صحیح ہونیکی ایک شرط موجود نہ ہوئی تو قیاس صحیح نہ ہوا۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کے کلیہ نہ ہونے کی وجوہ اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔ الرُّسُل میں الف لام استغراقی نہیں۔ کیونکہ مِنْ قَبْلِ جو خَلَتْ کے متعلق ہے اس کا انکار کرتا ہے۔ نیز یہی آیت حضرت مسیح علیہ السّلام کے حق میں وارد ہے۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ نیز آیت بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اسکی مخصص موجود ہے۔

پہلے تین امروں کی تحقیق بخوبی ہو چکی جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کے معنے یہ نہیں کہ جو پیغمبر رسول اللہ صلعم سے پیشتر تھے وہ سب مر گئے ہیں۔ بلکہ اس کے معنے جو لغت عرب اور قواعد نحو کے لحاظ سے صحیح ہیں یہ ہیں "کہ تحقیق گزر چکے پیشتر اس کے کئی رسول"۔

اب امر چہارم کی تحقیق کی جاتی ہے۔ کہ اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ اسکے معنے مرزا صاحب کی غلط تحقیق کے موافق ہیں تو بھی اس سے مرزا صاحب کی مراد یعنے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی وفات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ پھر بھی یہ آیت وفات مسیح کے بارے میں عام رہیگی۔ خاص نہ ہوگی۔ لیکن آیات اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ

---

[1] (دیکھو **قیمۃ الوداد** نمبر سوم صفحہ ۲۰ جو رسالہ دافع البلاء مصنفہ مرزا صاحب مطبوعہ سیالکوٹ کے ساتھ شامل ہے) چنانچہ فرماتے ہیں۔ "ہاں بپاس خاطر طلبہ مدرس صاحب کے قیاس منطقی ہم یہاں لکھے دیتے ہیں۔ سو واضح خاطر عاطر ناظرین ہو کہ ہمنے نہایت بسط کے ساتھ شمس بازغہ میں شکل اول بدیہی الانتاج سے حضرت عیسے ؑ کی وفات ثابت کر دی ہے۔ مگر یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو تین سطروں میں شکل اول کو لکھے دیتے ہیں۔ عیسی بن مریم کان نبیا من الناس الذین کانوا قبل نبینا ومات الناس الذین کانوا قبلہ کلہم حتی الانبیاء فعیسی بن مریم الضامات مقدمہ صغریٰ تو اسکا مسلم فریقین ہے۔ اور مقدمہ کبریٰ آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے بھی ثابت ہو چکا ہے"

اور بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ اور وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ جن کی تفسیر پیچھے گزر چکی ہے آپ کی رفع آسمانی اور نزول بار ثانی کے لئے خاص دلائل اور نصوص قطعیہ ہیں۔ جنکے مقابلے میں مرزا صاحب کا استدلال جو اس آیت زیر بحث کے عموم سے کیا گیا ہے۔ مفید مطلب نہیں۔ کیونکہ ہم اس آئت کے شروع میں دوسرے قاعدے میں بیان کر آئے ہیں کہ دلیل خاص کے مقابلے میں اس کے خلاف عام دلیل سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً سورہ دہر میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (پارہ ۲۹) یعنے ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے"۔ اور چونکہ آدم علیہ السّلام بھی انسان ہیں اسلئے بموجب امروہوی صاحب کی منطق کے آدم علیہ السّلام کی پیدائش بھی مادہ نطفہ سے ثابت ہوئی (جو بالکل باطل ہے) کیونکہ پہلے شکل اول اسکا قیاس اس طرح ہے۔ آدم انسان ہے۔ اور سب انسان نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ پس آدم بھی نطفہ سے پیدا ہوا ہے"۔

اس وہم کا ازالہ اس طرح ہے۔ کہ آدم علیہ السّلام کی پیدائش دوسرے مقام پر دلیل خاص سے ثابت ہے کہ مادہ مٹی سے ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت عیسے ؑ کی پیدائش نفخ روح القدس سے ہوئی۔ پس آدم ؑ اور حوا ؑ اور عیسے ؑ جن کی پیدائش کی کیفیت خاص دلیل سے اور طرح پر ثابت ہے۔ اس آیت سورہ دہر سے مستثنے رکھے جائیں گے۔ اور اُن کے علاوہ دوسرے انسانوں پر اس آیت کا حکم لگایا جاویگا۔ کہ وہ مادہ منی سے پیدا ہوئے۔ اس بیان سے مرزا صاحب اور فاضل امروہوی صاحب انکار نہیں کر سکتے۔ پس اسی طرح جب دوسرے مقام پر حیات عیسے علیہ السّلام خاص دلیل سے ثابت ہے تو عیسے علیہ السّلام اس آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کے عموم سے باہر رہینگے۔ پس آپ کی وفات ثابت نہ ہو سکی اور مرزا صاحب کی مراد پوری نہ ہوئی

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب ایک اور مغالطہ دیا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ صلعم کی وفات شریف پر یہی آیت پڑھکر آپ کی وفات ثابت کی۔ اور لوگوں کے دلوں سے شبہ دور کیا۔ جو یہ تھا۔ کہ آنحضرت صلعم فوت نہیں ہوئے۔ اس وہم کے ازالہ

کے لئے بیان بالا کافی ہے۔ مگر نیا سوال ہونے اور عام لوگوں کی تسلی کے لئے ہم اس کو کچھ تفصیل سے لکھتے ہیں۔ کہ جو وہم بعض لوگوں کو جنگ اُحد کے دن پڑا تھا۔ کہ رسول کو مرنا نہیں چاہئے۔ اسی طرح کا وہم بعض کو آنحضرت صلعم کی وفات پر ہوا۔ کہ آپ فوت نہیں ہو سکتے۔ خواہ نبی صلعم کی وفات کے واقعہ عظیمہ کے سبب طبیعت پر سخت صدمہ گزرنا اسکا موجب ہوا۔ یا کچھ اور۔ غرض وہم یہی تھا کہ آنحضرت صلعم پر موت نہیں آسکتی۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضہ کا اس وہم کو دور کرنے کے لئے اس آیت کو پڑھنا اسی طرح کا ہوا جیسے خدا تعالیٰ نے نازل کی تھی۔ اور معلوم ہو چکا ہے کہ اس سے مراد خداوندی صرف یہی ہے کہ رسالت اور موت میں منافات نہیں ہے۔ پس جس طرح اس آیت سے حضرت عیسے علیہ السّلام کی وفات ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ اسی طرح خطبہ صدیقیہ سے بھی نبی صلعم کے لئے موت کا آسکنا ثابت ہوا۔ نہ کہ حضرت عیسے علیہ السّلام کی وفات جسے مقصود سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہاں امکان ثابت ہو سکتا ہے مگر وقوع نہیں ؛؛

دوم یہ کہ اسی آیت میں آگے اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ موجود ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضہ کی نظر آنحضرت صلعم کی موت کے ممکن ہونے کیلئے اِنْ مَّاتَ پر ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کے حق میں موت کو ممکن فرماتا ہے۔ اس وجہ کی تائید دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے۔ جو حضرت ابوبکر رضہ نے اسی وقت حاضرین کو پڑھ سنائی تھی وہ آیت یہ ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ "یعنے اے پیغمبر تو بھی اپنے وقت مقرر پر) مرنیوالا ہے اور یہ (کفار بھی اپنے اپنے اوقات مقررہ پر) مرنے والے ہیں"؛ دیکھو اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم پر مَیِّت کا لفظ فرمایا ہے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر رضہ کا استدلال اَفَاِنْ مَّاتَ سے ہے نہ کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے۔ کہ وفات مسیح کے لئے ضعیف اور غلط طور پر بھی مفید ہو سکے۔

سوم یہ کہ دجال کا خروج اور عیسے علیہ السّلام کا نزول ایک طرح سے دونوں آپسمیں ایسے لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کا ماننے والا ضرور دوسرے کا مصدق ہے پس جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ دجال کے خروج کی حدیث کے راوی ہیں تو آپ نزولِ حضرت عیسے علیہ السلام سے کب غافل ہیں دیکھو سنن ابن

ماجہ باب خروج الدجال)

چہارم۔ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی غرض اِن آیات کے پڑھنے سے اِس وہم کا ازالہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت نہیں ہو سکتے۔ پس چونکہ وصف نبوت و موت کے منافات کو باطل کرنا مقصود بالذات ہے پس خطبہ صدیقی اس امر پر بعبارۃ النص دلالت کرتا ہے۔ لیکن یہ امر کہ سب انبیاؑ مر چکے ہیں نہ تو خطبہ صدیقی کا مفاد ہے اور نہ اسپر مخاطبین کے مزعوم کی تردید موقوف ہے۔ پس اِس سے وفات مسیح علیہ السّلام پر اجماع صحابہ کا دعوے کرنا خلاف روایت بلکہ درائیت بھی ہے۔ کیونکہ **صحیح بخاری** میں حضرت ابوہریرۃ رضہ کی روائت بالتصریح پکار رہی ہے کہ وہ سب صحابہ کے درمیان آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں مَوْتِہٖ کی ضمیر کا مرجع عیسےٰ علیہ السّلام قرار دیکر آپ کا نزول ثابت کر رہے ہیں اور اس تصریح نزول کے موقع پر کوئی صحابی نہ تو نفس مضمون یعنے نزول حضرت مسیح علیہ السّلام سے انکار کرتا ہے۔ اور نہ حضرت ابوہریرہ رضہ کے ضمیر کا مرجع حضرت عیسےٰ کو قرار دینے کو غلط کہتا ہے۔ اور نہ آپ کے استدلال کو ضعیف قرار دیتا ہے پس اجماع تو حیات و نزول حضرت عیسےٰ علیہ السّلام پر ہوا نہ کہ وفات پر۔ قطع نظر اس سے کہ یہ روایت **صحیح بخاری** حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے حیات و نزول پر اجماع صحابہ کو ثابت کر رہی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضہ کا اِس آیت کو حیات و نزول عیسےٰ علیہ السّلام کے بارے میں حدیث کی تصدیق کے لئے پڑھنا کم سے کم مولوی محمدؐ احسن صاحب کے خیالی اجماع کے توڑنے کے لئے تو کافی ہے۔

قسم دوم میں سے **دوسری آیت** یہ ہے۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پارہ اول رکوع اخیر) اِس آیت کا ترجمہ مرزا صاحب اس طرح کرتے ہیں"۔ اِسوقت سے جتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہوگیا۔ اُن کے اعمال اُن کے لئے تمہارے اعمال تمہارے لئے اور اُنکے کاموں سے تم نہیں پوچھے جاؤ گے۔ انتہےٰ"۔

صفحہ ۲۵ میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ مرزا صاحب قرآن شریف کے ترجمے میں الفاظ کی رعایت بالکل نہیں رکھتے۔ اور سلسلہ عبارت اور ماقبل و مابعد کو بالکل بھلا دیتے

ہیں اور الفاظ قرآن شریف کو موڑ توڑ کر اپنے ٹھانے ہوئے مطلب کے پیچھے لیجاتے ہیں۔ زبان کے قواعد پر نظر اور اصول ترجمہ سے واقفیت رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ ترجمہ کرنیکا یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ اور تفسیر بالرائے اور اتباع ہوے یعنے اپنے خیال ورائے سے تفسیر کرنا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ ناظرین انصاف سے قرآن مجید کے الفاظ اور مرزا صاحب کے ترجمہ میں نظر کرینگے۔ تو انکو ہماری تصدیق کرنی پڑیگی۔ جناب مرزا صاحب! "اُسوقت سے بھتنے پیغمبر پہلے ہوئے ہیں"۔ کس عبارت کا ترجمہ ہے اور قرآن شریف میں اسکے لئے کونسے الفاظ ہیں۔ آپ ترجمہ میں اور پھر قرآن شریف کے ترجمہ میں ایسی صریح بے دلیل زیادتیاں کرتے ہیں۔ اور ذرہ نہیں جھجکتے۔ آپ کی مثال میں یہ کہنا ٹھیک ہے ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد ٭ کیا دنیا میں آپ کے سوائے کوئی دوسرا شخص عربی زبان نہیں سمجھتا۔ کہ آپ ایسے دھوکہ سے مطلب برآری چاہتے ہیں۔ خلت کے معنے مرزا صاحب نے اِس جگہ بھی فوت ہوگئے ہیں کئے ہیں۔ اسکی تحقیق پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔ اِس مقام پر مرزا صاحب سے صرف اتنا پوچھا جاتا ہے کہ خلو کے معنے موت کس زبان کا محاورہ ہے۔ اور کونسی کتاب اس کی شاہد ہے۔

اِس آیت کو حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی موت وغیرہ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے نہ عموماً اور نہ خصوصاً۔ کیونکہ لفظ تِلْکَ (یہ) جو اِس آیت کے شروع میں ہے اسکا اشارہ اُن کی طرف ہے جو اِس سے پیشتر مذکور ہیں۔ اور وہ حضرت ابراہیم اور اُنکے بیٹے اور حضرت یعقوب اور اُنکے بیٹے ہیں اور بس۔

اِس آیت کی صحیح تفسیر اس طرح ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے کہ حضرت یعقوب ع وصیّت کر گئے تھے کہ یہودیت کو نہ چھوڑنا۔ اور نیز اِسبات پر بڑا فخر کرتے تھے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد میں سے ہیں۔ ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے اُن کے ان دونوں وہموں کو دُور کرنے کے لئے پہلے تو فرمایا کہ ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے تو اپنے اپنے بیٹوں کو اسلام کی وصیّت کی تھی۔ خاصکر یعقوب علیہ السّلام نے اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے تو اُنہوں نے کہا کہ ہم اُسی ایک معبود کی عبادت کرینگے۔ جس کی عبادت آپ اور

آپ کا باپ اسحاق اور چچا اسمعیل اور دادا ابراہیم علیہم السّلام کرتے رہے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار رہینگے۔ اِس کے بعد اللہ تعالےٰ نے یہود کے دوسرے وہم کو دُور کرنے کے لئے فرمایا کہ ان لوگوں کے اعمال یعنے ابراہیم۔ اسحاق اور یعقوب علیہم السّلام جنکے بھروسے پر تم جرأت سے بد اعمالیاں کرتے ہو اُنکے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ اور مرزا صاحب کچھ اَور کا اَور ہی لے اُڑتے ہیں۔ اور اپنی رائے سے قرآن شریف کے مطالب کو بگاڑ بگاڑ کر مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ ناظرین! قرآن شریف میں سے یہ مقام نکال کر شروع مضمون سے اخیر تک مطالعہ کریں۔ اور انصاف سے حق کی داد دیں ٭ اگر خلت کے رو سے اِس آیت کو کسی کی موت سے کچھ تعلق ہے بھی تو اول چونکہ عیسےٰ علیہ السّلام تلک کے مشار الیہم میں داخل نہیں ہیں۔ اِسلئے اسے اُن کی وفات کی دلیل گردانا بالکل باطل ہے۔ دوم یہ کہ یہی آیت اس سے آگے پارے کے اخیر پر بھی آئی ہے۔ اور اس سے پہلے تلک کا مشار الیہم حضرات ابراہیم اسمعیل اسحٰق۔ یعقوب (ع) اور اُن کے بیٹے ہیں اور عیسےٰ علیہ السّلام ان میں داخل نہیں۔ اس سے پیشتر حضرات ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحٰق۔ یعقوب۔ اور اُن کی اولاد اور موسیٰ اور عیسےٰ علیہم السّلام کا ذکر ہے۔ اور وہاں خلت یا موت وغیرہ کا کوئی ذکر تک نہیں پس جس جس مقام پر اللہ تعالےٰ نے خلت کا لفظ فرمایا ہے وہاں حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا ذکر نہیں۔ اور جہاں اُن کا ذکر ہے وہاں لفظ خلت نہیں۔ پس یہ آیت عیسیٰ ؑ کی موت کی دلیل نہ ہوئی۔ سوم یہ کہ اگر کسی طرح سے عیسےٰ علیہ السّلام کو اس آیت کے عموم میں داخل بھی سمجھ لیویں تو پھر بھی یہ آیت عام رہیگی۔ پس بموجب قاعدہ دوم یہ دلیل آیت وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ الآیہ اور اس جیسی دیگر آیتیں جو عیسےٰ علیہ السّلام کی زندگی پر شاہد ناطق ہیں اُنکے مقابلہ میں ہرگز قابل قبول نہیں کیونکہ دلیل خاص کے مقابلہ میں دلیل عام کا اعتبار نہیں ہوتا۔

قسم دوم میں سے تیسری آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (انبیاء) اس آیت کا بیان مرزا صاحب اس طرح کرتے ہیں "ہمنے تجھ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ زندہ اور ایک حالت پر رہنے والا نہیں بنایا۔ پس کیا اگر تو مرگیا

تو یہ لوگ باقی رہجائینگے +

اِس آیت کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی موت سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس میں ہمیشہ رہنے کی نفی ہے۔ اور ہم عیسے علیہ السّلام کے ہمیشہ زندہ رہنے کے قائل نہیں۔ بلکہ بموجب حدیث صحیح اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ علیہ السّلام بعد نازل ہونے کے دُنیا میں آباد رہکر فوت ہونگے۔ اور مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوں گے قادیانی کی مماثلت کی تردید اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کے نزول کی تائید میں یہ حدیث کافی ہے۔ پس عیسے علیہ السّلام کی موت قبل النزول ثابت نہ ہوئی +

تیسری قسم کی وہ آیتیں ہیں جنکو حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ نہ عموماً اور نہ خصوصًا۔ اور نہ علم اصول کے رو سے ان سے اِس امر پر استدلال جائز ہے۔ بلکہ صرف مرزا صاحب کا اپنا اختراع ہے۔ ان سب کی تردید کیلئے صرف وہی دو قاعدے جو ہمنے صفحہ ۴۸ میں بیان کئے ہیں کافی ہیں کہ جب کوئی امر خاص اور صریح دلائل سے ثابت ہوجائے تو اُنکے مقابلے میں اُنکے خلاف عام دلائل اور قیاسی ڈھکوسلے چل نہیں سکتے۔ کیونکہ پھر متکلم کی تصریح کا کوئی فائدہ و اعتبار نہیں رہتا۔ مگر ناظرین کی تفہیم کے لئے اِن آیات کو بھی ایک ایک کرکے بیان کرتے ہیں۔ اور ظاہر کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کے استدلال کس قدر ضعیف ہیں۔

تیسری قسم میں سے پہلی آیت یہ ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (پارہ (۱)) مرزا صاحب اِس آیت کا بیان اِس طرح کرتے ہیں "تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ زمین پر ہی رہوگے یہانتک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کرکے مرجاؤگے۔ یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے۔ کیونکہ لکُمْ جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے۔ اسبات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے۔ کہ جسم خاکی آسمان پر جا نہیں سکتا بلکہ زمین سے ہی نکلا اور زمین میں ہی رہیگا۔ اور زمین میں ہی داخل ہوگا انتہے"

اس بیان سے ہر ذی علم مرزا صاحب کی قوت اِستدلال کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ کس قدر بڑھی ہوئی ہے۔ اِستدلال کی صحت کے لئے یہ بھی شرط ہے۔ کہ قرآن و حدیث کی تصریح کے خلاف نہو۔ مگر مرزا صاحب اِس امر کی ہرگز پرواہ نہیں کرتے

اور اپنی بے تکی ہانکے جاتے ہیں۔ ہاں مرزا صاحب! بے شک اللہ تعالےٰ نے اِنسان کے لئے مقر طبعی زمین ہی بنائی ہے۔ اور اسی میں وہ دفن کئے جاتے ہیں اور اسی سے قیامت کو اُٹھائے جائینگے۔ یہ تو سب کچھ ٹھیک ہے۔ مگر اس سے وفات مسیح علیہ السّلام پر استدلال ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اصلی اور طبعی طور پر کسی جگہ کا جائے رہائیش ہونا امر دیگر ہے۔ اور عارضی طور پر کچھ مدّت کے لئے کسی اور جگہ کا جائے رہائیش ہونا امر دیگر ہے۔ مثلاً ملائکہ[1] کا طبعی اور اصلی مستقر آسمان ہیں۔ مگر باوجود اسکے وہ زمین پر بھی آمد و رفت رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر عیسےٰ علیہ السّلام بھی عارضی طور پر کچھ عرصہ تک کرۂ زمین سے باہر دوسرے کُرے میں رہیں تو کوئی جائے تعجب نہیں۔

اِس کے علاوہ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا آسمان پر اُٹھایا جانا بھی اُنکے مادہ طبعی و فطرتی کے سبب ہے۔ کیونکہ آپ کی پیدائیش عام اسباب معتادہ کے خلاف نفخ روح القدس سے ہوئی ہے۔ جیساکہ باب اول صفحہ ۱۲۲ اور صفحہ ۱۲۳ میں بھی گزر چکا ہے۔ علمائے اِسلام کا اسبات پر اتفاق ہے۔ کہ عیسےٰ علیہ السّلام کو پیدائشی طور پر ملائکہ سے مشابہت تھی۔ پس عیسےٰ علیہ السّلام کا آسمان پر اُٹھایا جانا اور اس آیت کے حکم سے خارج ہونا اُنکے اپنے مادہ فطرتی کے لحاظ سے ہے۔ جو دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔

مرزا صاحب اس آیت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ لکُمْ اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے"۔ بیشک مرزا صاحب لکُمْ اِس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے۔ مگر یہ تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے۔ آپ نے اسے کیوں معرض دلیل میں پیش کیا۔ اسی کو قواعد سے ناواقفی کہا کرتے ہیں۔ کہ اپنے مطلب کے خلاف دلیل بیان کی جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کو کہنا یہ چاہیئے تھا کہ اس جگہ فِی الْاَرْض ظرف مقدم واقع ہے اور یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے"۔

اس کے جواب میں اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر فی الارض کی تقدیم سے آپ حصر کا فائدہ اُٹھا کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صرف زمین ہی آدمی کے لئے جائے قرار ہے۔ اور

---

[1] نزول الملائکہ کے ثبوت میں ایک الگ رسالہ لکھا گیا ہے۔ جو رسالہ معراج کے ساتھ طبع ہوا ہے ہر دو کی قیمت ۶ رہے۔ مطبع پنجاب پریس سے طلب کرو۔

اِسکے سوائے اور کوئی جگہ نہیں۔ تو اسی طرح لکھ بھی مقدّم واقع ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ زمین صرف انسانوں ہی کے لئے جائے قرار ہے۔ کسی دیگر حیوان کیلئے نہیں۔ حالانکہ یہ صریح غلط ہے۔ ناظرین انصاف کریں کہ لکھ کی تخصیص مرزا صاحب کو مفید ہوئی یا مضر۔ حقیقت الامر اس طرح ہے۔ کہ جو حصر فِی الْاَرْض سے حاصل ہوتا ہے۔ جو بہ نسبت استقرار اصلی کے ہے۔ اور جو تخصیص لکھ سے حاصل ہوتی ہے وہ اس بنا پر ہے۔ کہ آدم علیہ السّلام اور اُن کی اولاد باذن الٰہی زمینی اشیاء میں خلیفے اور متصرف ہیں۔ لہٰذا ان کو زمین کی آبادی میں ایک ایسی خصوصیّت حاصل ہے۔ جو دوسرے حیوانوں کو نہیں۔ اِسلئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا۔ اور اَوروں کا نہ کیا۔ علاوہ اسکے یہ کہ روئے سخن بھی انہی کی طرف ہے۔ اور علم معقول پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ ایسی صورت میں جہاں جعل تکوینی پایا جائے اسکا مجعول الیہ لازم نہیں ہوتا۔ بلکہ عارض ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے کئی جگہ فرمایا:۔

وجعلنا الیل لباسا وجعلنا النھار معاشا (نباء)
وقال ومن رحمتہ جعل لکم الیل والنھار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون (قصص)

"ہم نے رات کو آرام کا وقت بنایا ہے اور دن کو معاش کمانیکا" تو اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دن کو آرام نہیں کر سکتے اور رات کو معاش کے لئے کام کاج نہیں کر سکتے۔ کیونکہ روزمرہ کے معاملات اسکے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ اسی قرآن شریف میں اس کی کئی مثالیں ہیں۔ کہ کسی چیز کو اللہ تعالےٰ نے کسی فائدے کے لئے بنایا ہے۔ تو وہ فائدہ اس سے مخصوص نہیں۔ بلکہ کسی دوسری چیز سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ہاں اصلی طور پر اور عارضی طور پر ہونے میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً اسی دن اور رات کو معاش اور آرام کا وقت بنانے میں بھی قول ٹھیک ہے۔ کہ معاش کا اصلی وقت دن ہے۔ مگر عارضی طور پر رات کو بھی کما سکتے ہیں۔ اور آرام اور نیند کا اصلی وقت رات ہے۔ مگر عارضی طور پر دن کو بھی آرام و نیند کر سکتے ہیں۔ پس اسی طرح اس آیت زیر بحث میں ہے۔ کہ رہائش کا اصلی مقام انسان کے لئے زمین ہے۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کسی شخص کو عارضی طور پر کسی خاص مدت تک آسمان پر رکھے تو کیا تعجب ہے۔ خصوصاً اسوقت جب کہ کسی شخص کا مادہ فطرتی بھی اس انعام کے قابل ہو اور اُس میں اللہ تعالےٰ کی کئی

حکمتیں بھی ہوں۔ جیساکہ باب اوّل میں صفحہ ۱۲۳ سے صفحہ ۱۲۵ تک بیان ہوئی ہیں۔ پس مرزا صاحب کا اِس آیت کو وفات مسیح کے لئے پیش کرنا بالکل بیجا ہے۔

قسم سوم میں سے دوسری آیت یہ ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ "ہر ایک چیز جو زمین میں موجود ہے اور زمین سے نکلتی ہے وہ معرض فنا میں ہے یعنی دمبدم فنا کی طرف میل کر رہی ہے"۔

اِس آیت کو بھی زیر بحث وفات مسیح علیہ السّلام سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السّلام آخر کار فوت ہونگے۔ جس سے ہم کو انکار نہیں۔ کیونکہ ہر شئے کے قیام کے لئے اللہ تعالےٰ نے وقت مقرر کیا ہوا ہے اسی طرح جو وقت عیسےٰ علیہ السّلام کی موت کا ہے۔ آپ ضرور ضرور اسی وقت فوت ہونگے۔ نہ اُس سے آگے اور نہ اُس سے پیچھے۔ چنانچہ یہ امر مرزا صاحب کے اپنے الفاظ **معرض فنا** "سے بھی صاف ثابت ہے اور اُسکے بعد آپکا یہ فرمانا کہ فانٍ کا لفظ اِسلئے اختیار کیا اور یفنی نہیں کہا کہ تا معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں ایک دفعہ واقع ہوگی بلکہ سلسلہ فنا کا ساتھ ساتھ جاری ہے"۔

فانٍ کا نکتہ نہ سمجھنے اور اپنے لکھے ہوئے **معرض فنا میں ہے** کو بھول جانے کے سبب ہے۔ کیونکہ فانٍ پر کوئی شخص اعتراض کر سکتا ہے۔ کہ جو چیزیں دُنیا پر قائم اور موجود نظر آ رہی ہیں۔ اُنکو صفت فنا کی حاصل نہیں تو پھر اُنکے لئے بھی فانٍ کیوں فرمایا؟ اس اعتراض کا جواب اس طرح ہے۔ کہ صفت کا حاصل ہونا دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک بالفعل۔ دوم بالقوۃ۔ اگرچہ سب موجودات پر بالفعل فانی کا لفظ نہیں آسکتا۔ مگر اس لحاظ سے کہ ہر ایک چیز سوائے معبود حقیقی کے معرض فنا میں ہے۔ اور آخر کار فنا ہو جائیگی۔ سب کے لئے فانٍ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

اسم فاعل اور فعل مضارع کے صیغے میں فرق کر کے جو نکتہ آپ نے بیان کیا ہے وہ اسم فاعل اور فعل مضارع کی مشابہت کو نظر انداز کر کے لکھا گیا ہے۔ اگر آپ اس طرف توجہ کرینگے۔ تو پھر ایسے نکتے بیان نہ کیا کرینگے۔ پس جب قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی موت کا وقت قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے کے بعد ہے۔ تو پھر قبل نزول کے اس آیت سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی موت پر

استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔

قسم سوم میں سے تیسری آیت یہ ہے۔ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔ اِس آیت کا بیان مرزا صاحب یوں کرتے ہیں "کہ اس آیت میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ سنت اللہ دو ہی طرح سے تم پر جاری ہے بعض تم میں سے عمر طبعی سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں۔ یہانتک کہ ارذل عمر کی طرف ردّ کئے جاتے ہیں اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں"۔ مرزا صاحب نے ترجمہ بالکل غلط کیا ہے۔ اور قرآن شریف کے مطلب کو بالکل بدل دیا ہے۔ اسکا بیان آگے آئیگا +

قسم سوم میں سے چوتھی آیت یہ ہے۔ ومن نعمرہ ننکسہ فی الخلق۔ یعنے جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں تو اُس کی پیدائش کو اُلٹا دیتے ہیں"۔

قسم سوم میں سے پانچویں آیت یہ ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوة ثم جعل من بعد قوة ضعفًا و شيبًا (الروم) یعنے خدا وہ خدا ہے جسنے تمہیں ضعف سے پیدا کیا۔ پھر ضعف کے بعد قوت دی پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی"۔

قسم سوم میں سے چھٹی آیت یہ ہے۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ الایہ یونس) یعنے اِس زندگی دنیا کی مثال یہ ہے کہ جیسے اس پانی کی مثال ہے۔ جس کو ہم آسمان سے اُتارتے ہیں پھر زمین کی روئیدگی اُس سے ملجاتی ہے۔ پھر وہ روئیدگی بڑھتی اور پھولتی ہے۔ اور آخر کار کاٹی جاتی ہے"۔

قسم سوم میں سے ساتویں آیت یہ ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ (مومنون) یعنے اول رفتہ رفتہ خدا تعالےٰ نے تمکو کمال تک پہنچایا۔ اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو یہانتک کہ مرجاتے ہو"۔

قسم سوم میں سے آٹھویں آیت یہ ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ انزل من السماء ماء فسلكه ينابيع فى الارض ثم يخرج به زرعًا مختلفًا الوانه ثم يهيج فتراه مصفرا ثم يجعله حطاما ان فى ذٰلك لذكرٰى لاولى الالباب (زمر پارہ ۲۴)

ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی موت کا ذکر نہ تو صراحۃً ہے اور نہ اشارۃً۔ مرزا صاحب اپنی اُلٹی منطق سے اُن کو بھی وفات ہی کے دلائل سمجھتے ہیں۔ اُنکے طریق استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیتوں میں انسان کی ترقی و کمال اور پھر تنزل و زوال کا بیان ہے۔ پس ضرور ہے کہ عیسےٰ علیہ السّلام پر بھی بوجہ انسان ہونے کے یہ سب حالات گزریں وہ بوڑھے بھی ہوں اور پھر بڑھاپے کے بعد فوت بھی ہوں کیونکہ ان آیتوں میں اُن کو مستثنےٰ نہیں کیا گیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ بڑھاپے کی انتہا تک پہنچ کر انسان کے حواس جاتے رہتے ہیں۔ اور وہ عالم ہونے کے بعد نادان محض ہو جاتا ہے۔ جیساکہ اس آیت میں مذکور ہے۔ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا " یعنی بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں۔ یہاں تک کہ ارذل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں۔ اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں" نیز فرماتے ہیں" اور اگر پھر فرض کے طور پر اب تک زندہ رہنا ان کا تسلیم کر لیں تو کچھ شک نہیں کہ اتنی مدت کے گزرنے پر پیر فرتوت ہو گئے ہونگے۔ اور اس کام کے ہرگز لائق نہونگے کہ کوئی خدمت دینی ادا کر سکیں" (ازالہ اوہام تقطیع کلاں جلد اول [٣٢٠]) یہ ہے مرزا صاحب کے استدلال کا طریق جس کی بنا بالکل قیاسی ڈھکوسلوں اور آیات کو غیر محل پر استعمال کرنے پر ہے۔

اب اس کی تردید اور جواب ٹھنڈے دل سے سُنیں اور انصاف کریں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ان آیتوں میں انسان کے کمال و ترقی اور تنزل و زوال کا ذکر ہے اور عیسےٰ علیہ السّلام کو مستثنےٰ نہیں کیا گیا۔ اس کے جواب میں اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم عیسےٰ علیہ السّلام کو ہمیشہ کے لئے موت سے بچنے والا نہیں جانتے بلکہ مانتے ہیں کہ آخر ایک وقت وہ بھی فوت ہونگے۔ جیساکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے " کہ میرے پاس حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان دفن کئے جاوینگے۔ ہاں ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ مرزا صاحب ان آیتوں کے رو سے جب چاہیں کسی پر موت لے آویں۔ اور جیتے جی اُس کو مردہ بنا دیں۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ نے جس کے قبضے میں موت اور زندگی ہے ہر ایک کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے جسکے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اور ہم کو مرزا صاحب کی تحریروں سے تجربہ ہو چکا ہے

کہ جب وہ کسی خاص میعاد تک کسی کے مرنے کی خبر دیتے ہیں تو وہ اس مدت کے بعد تک زندہ رہتا ہے۔ مثلاً مسٹر آتھم عیسائی کی موت کی نسبت آپ نے بڑے زور سے پیشگوئی کی تھی۔ کہ وہ پانچویں ستمبر ۱۸۹۴؁ء تک مرجائیگا یا مسلمان ہوجائیگا۔ مگر وہ اس میعاد کے بعد تک مذہب عیسائی پر لوگوں میں زندہ موجود رہا۔ اور اسی طرح آپکے اپنے رقیب اور اپنی منکوحہ آسمانی کے شوہر سلطان احمد کی نسبت بھی پیشگوئی کی تھی کہ وہ عرصہ اڑھائی سال تک مرجائیگا۔ اور مسماۃ محمدی آپ کے پاس آویگی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اُسے آپ کی زوجہ بنا دیا ہوا ہے۔ مگر آج نصف ستمبر ۱۹۰۵؁ء تک وہ زندہ موجود ہے۔ اور آپ کی منکوحہ آسمانی اس سے اولاد جن رہی ہے۔ ان واقعات سے ہمیں کامل یقین ہے۔ کہ مرزا صاحب کسی کی اجل وقت سے پیشتر نہیں لا سکتے۔ پس حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا آخر کار مرنا امر دیگر ہے اور اسوقت قبل نزول فوت شدہ ہونا امر دیگر ہے۔ پس ان آیات سے بھی آپ کی وفات زیر بحث ثابت نہ ہوئی۔ اور مرزا صاحب کا مدعا پورا نہ ہوا۔

دوم یہ کہ صورتِ مستثنےٰ کے لئے ضروری نہیں اسی عبارت میں موجود ہو۔ بلکہ سارے قرآن وحدیث میں جہاں کہیں جس امر کو کسی عام حکم سے مستثنےٰ کیا گیا ہو وہ مستثنےٰ ہی شمار کیا جاتا ہے۔ خواہ عبارت کے ساتھ ہو خواہ کسی اور جگہ پر۔ کیونکہ سارا قرآن مجید اور ساری حدیث شریف کَکَلِمَۃٍ وَّاحِدَۃٍ یعنی مثل ایک **کلمہ** کے ہے قرآن وحدیث میں اس کی نظیریں بکثرت ہیں۔ خوف طوالت سے صرف چند ذکر کی جاتی ہیں۔

اول۔ دوسرے پارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِہِنَّ ثَلٰثَۃَ قُرُوْٓءٍ۔ یعنے طلاق والی عورتیں دوسرے نکاح کے لئے تین حیض تک انتظار کریں۔ اب ظاہر ہے کہ المطلقت جمع کا لفظ ہے اور حاملہ اور غیر حاملہ اور شوہر دیدہ اور شوہر نادیدہ سب قسم کی مطلقہ عورتیں اس لفظ میں داخل ہیں۔ تو پس مرزا صاحب کی منطق کے رو سے ان سب کی عدت یہی تین حیض ہونی چاہئے اور یہ بالکل غلط ہے کیونکہ حاملہ اور شوہر نادیدہ مطلقہ عورتیں اور جن کو حیض نہیں آتا اس حکم سے مستثنےٰ ہیں اور ان کا حکم دوسری جگہ پر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ **غیر ممسوسہ** یعنے شوہر نادیدہ کی

نسبت سورہ احزاب پارہ بائیس میں فرمایا۔ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا" یعنے اے مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر اُن کو مجامعت سے پیشتر طلاق دیدو تو تمہارے لئے اُن پر کوئی عدت نہیں جسے تم کو گن کر پورا کرنا پڑے"۔ دیکھئے اِس آیت میں شوہر نادیدہ مطلقہ کی عدت ہی مقرر نہیں کی ایک طرف سے طلاق ہو دوسری طرف نکاح کر لینے کا اختیار دیا ہے۔ اِسی طرح سورۂ طلاق پارہ اٹھائیس میں وہ مطلقہ عورتیں جو اَب بڑھاپے کی وجہ سے حیض سے مایوس ہیں اور جن کو ابھی حیض آیا ہی نہیں اور جو حاملہ ہیں اُن کی نسبت فرمایا۔ "وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَھُنَّ"۔ یعنی تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو جائیں اگر تم کو شبہ رہ گیا تو اُن کی عدت تین مہینے ہے۔ اور ایسے ہی جنکو ابھی حیض نہیں آیا۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے"۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے محرمات کے بیان میں فرمایا۔ "وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ"۔ یعنے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اور سب محرمات کے ذکر کے بعد فرمایا "وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ"۔ یعنے اِن مذکورہ بالا عورتوں کے سوائے تمہر حلال ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

اِن مثالوں سے صاف ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اِن آیتوں میں مستثنےٰ نہیں کیا گیا۔ اِسلئے اُنکے حکم میں وہ بھی داخل ہیں معقول وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ آیات "یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ" اور "بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ" اور "وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ" اور "اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ" اور "وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا" آپ کے آسمان پر اب تک زندہ موجود ہونے اور قرب قیامت میں نازل ہونے اور تب تک بوڑھے نہ ہونے پر دلائل واضحہ ہیں۔ جن سے کسی منصف کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اِن آیات کی تفسیر تفصیل و اختصار

سے پیچھے گزر چکی ہے۔ لہذا دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں۔ اسی طرح احادیث صحیحہ جو حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے آسمان سے نازل ہونے پر بالصراحۃ شہادت دیتی ہیں اور بعد اسکے آپ کی وفات ظاہر کرتی ہیں۔ اور آپکا مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن[1] ہونا بیان کرتی ہیں۔ آپکو ان زیر بحث آیات کے حکم سے مستثنےٰ کر رہی ہیں۔

ان آیات زیر بحث میں سے پہلی آیت یعنے وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا کا ترجمہ ایسا کیا ہے۔ جو قواعدِ زبان کے رُو سے غلط اور اصول اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اور مرزا صاحب نے اس میں ہر دو امر کا لحاظ نہیں کیا۔ مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "۔ اور بعض عمر طبعی کو پہنچتے ہیں۔ یہانتک کہ ارذل عمر کی طرف رد کئے جاتے ہیں۔ اور اس حد تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعد علم کے نادان محض ہو جاتے ہیں"۔

یہ ترجمہ قواعد زبان عرب کے رو سے اسلئے غلط ہے کہ مرزا صاحب نے لکیلا یَعْلَمَ میں لِکَے کے معنے کئے ہیں "۔ اس حد تک نوبت پہنچتی ہے"۔ حالانکہ کتب نحو میں مصرح ہے۔ کہ کَے پر جو لام داخل ہوتا ہے۔ وہ علت کے ہوتا ہے (دیکھو مغنی اللبیب) پس اس آیت کے صحیح معنے یہ ہیں "۔ اور بعض تم میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ارذل عمر کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ بعد جاننے کے کچھ بھی نہ جانیں۔ یعنے بعض شخصوں کو اللہ تعالےٰ اسلئے بوڑھا کرتا ہے۔ کہ وہ اپنی جانی ہوئی باتیں بھول جائیں اور سب اشیاء پر خدا تعالےٰ کا تصرف ظاہر ہو۔ دیکھئے **امام رازی** تفسیر کبیر میں سورۂ **نحل** کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ فقولہ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۔ یدل علی انہ تعالی انما ردہ الی ارذل العمر لاجل ان یزیل عقلہ الخ۔ یعنی اللہ تعالےٰ جو بعض انسانوں کو نکمی عمر تک پہنچاتا ہے تو اسکی علت یہ ہوتی ہے کہ اُس کی عقل کو زائل کر دیوے"۔

پس جب حضرت روح اللہ علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت اور حکمت کے اظہار کے لئے آسمان پر اُٹھایا۔ اور قرب قیامت تک اُن کی حیات

---

[1] ۔ حضرت عیسٰی ؑ کی قبر اور مدفن کی تحقیق کے لئے دیکھو رسالہ الخبر الصحیح عن قبر المسیح ۱۲۔

مقرر کی جیساکہ باب اول صفحہ ۲۳ میں وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ تو مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ اگر بالفرض عیسیٰ علیہ السلام اتنی مدت تک زندہ بھی رہیں۔ تو پیر فرتوت ہوجانے کے باعث اُن کا نزول کچھ مفید نہیں ہوگا۔ بالکل باطل ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو اتنی لمبی عمر اسلئے نہیں دی کہ وہ اپنا علم بھول جائیں۔ بلکہ کئی مفید امروں اور حکمتوں کے لئے دی ہے۔ نہایت بڑھاپے کو پہنچ کر بھی علم نہ بھولنا اور عقل کا زائل نہ ہونا حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے ہزار ہزار برس تک لمبی عمر پانے سے ثابت ہے اور اِسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض کا سو سو سال اور اس سے زیادہ تک عمر پانا اور اُن کے حواس کا برابر ٹھیک رہنا اور اسی طرح مقبولان بارگاہ رب العلمین حضرات بابرکات محدثین رحمہم اللہ اجمعین کا بڑی بڑی لمبی عمر پانا اور حدیث نبوی کی تدریس میں برابر مشغول رہنا واقفان سنت نبویہ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ خاصکر ہمارے زمانے میں حضرت شیخنا و شیخ الکل ناصر سنت سید الثقلین ناشر حدیث رسول رب الخافقین سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی نور اللہ ضریحہ کا سو سال یا اس سے زیادہ تک عمر پانا اور اسوقت تک حدیث نبوی کی تعلیم کرتے رہنا چھوٹے بڑے پر ظاہر ہے۔ ہائے افسوس! پھر مرزا صاحب کے قلم سے کس طرح نکلا کہ اللہ تعالےٰ کے نبی برحق خاص خدا تعالےٰ کے سکھائے ہوئے پیغمبر حضرت روح اللہ عیسےٰ بن مریم علیہ السلام اتنی لمبی عمر پانے سے پیر فرتوت ہو کر نادان محض ہو جائینگے۔ اور کسی کام کے نہ رہینگے۔ آہ! مولانا روم صاحب نے کیا سچ کہا ہے۔ ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

جناب مرزا صاحب! اگر ہر شخص کے لئے ارذل عمر کو پہنچنے پر نادان محض ہوجانا ضروری ہے۔ تو آپ بھی اس سے بچ نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ نے اپنی عمر پہلے اسی سال تک بتائی تھی اور پھر اسپر پندراں سال اور بڑھا لئے ہیں اور ارذل عمر کی ادنی حد پچھتر سال ہے۔ تو پھر کیا آپ بیس سال تک ارذل عمر میں نہیں رہینگے اور پیر فرتوت ہو کر نادان محض نہیں رہینگے۔ اور پھر آپ دینی خدمت کیا کرینگے۔

اس بیان سے ظاہر ہوگیا۔ کہ مرزا صاحب کا ترجمہ بالکل غلط ہے اور حضرت عیسےٰ

اس آیت کے حکم سے مستثنے ہیں۔ اب اس امر کا بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ ترجمہ اصول و عقاید اسلامیہ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب عمر طبعی کے قائل ہیں اور اسکے بعد موت کو ضروری جانتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب موت کو ایک عدمی امر جانتے ہیں۔ علم عقاید پر نظر رکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ عمر طبعی کو ماننا اور اُس کے بعد موت کا ضروری ہونا اور موت کو ایک عدمی امر جاننا حکمائے یونان کا مذہب ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی نے سورہ نحل کی تفسیر میں عمر طبعی کے متعلق حکماء کا مذہب اور اُنکے دلائل ذکر کئے ہیں۔ اور پھر عقلی دلائل سے بہت تفصیل کے ساتھ اُن کا رد لکھنے کے بعد فرمایا "کہ ایک دن میں سورہ والمرسلٰت پڑھ رہا تھا۔ جب آیت اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ پر پہنچا اور وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ پڑھا یعنے قیامت کے روز ان جھٹلانے والوں کے لئے ویل ہوگا" تو مینے کہا بے شک ان مکذبین سے مراد وہی لوگ ہیں۔ جو حیوانات کے بدن کی ساخت کو طبیعت کی طرف اور رطوبت میں حرارت کے اثر کرنے کی طرف نسبت کرتے ہیں (اور کہا) اَے رب العزۃ میں سچے اور پختہ دل سے ایمان کہتا ہوں کہ یہ تدابیر طبیعت کے اثر سے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ تیرا فعل ہے جو خالق اور علیم اور احکم الحاکمین اور اکرم الاکرمین ہے"۔ اور اسکے بعد ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "کہ ہمنے (اس سے اوپر) بیان کردیا ہے کہ حکماء نے موت کا سبب جو ذکر کیا ہے وہ فاسد اور باطل ہے اور اس سے دور لازم آتا ہے۔ اور جب ثابت ہوگیا کہ حکماء کا مذہب باطل ہے۔ تو ظاہر ہوگیا کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے اور مقدر کرنے سے ہوتی ہے"۔ میں (مصنف) کہتا ہوں امام رازی کے اِس قول کی تصدیق قرآن شریف میں کئی جگہ موجود ہے۔ جیساکہ فرمایا اللہ تعالےٰ نے سورہ ملک میں اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ یعنے جسنے موت اور زندگی کو پیدا کیا"۔ اسکے بعد امام رازی رح وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "کہ ہمنے (اوپر) بدلائل بیان کردیا ہے کہ اِنسان کے حالاتِ کمال سے نقصان اور قوت سے ضعف کی طرف انتقال کرنے کی علت (فاعلی) طبیعت نہیں ہے۔ پس قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ انسان کا حالت جوانی سے بوڑھا ہونا اور

عقل کامل کے بعد پیرانہ سالی کی وجہ سے نادان ہوجانا بمقتضائے طبیعت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالے فاعل مختار کے فعل سے ہے اِسکے بعد اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ بات یعنے اللہ تعالے علم والا اور قدرت والا ہے۔ جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے اُس کی اصل اصول ہے۔ کیونکہ طبیعت تو ایک جاہل چیز ہے۔ جو مصلحت اور فساد کے وقت میں تمیز نہیں کرسکتی۔ اِسلئے یہ سب انتقالات جو انسان میں ہوتے ہیں اُن کو اُس کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔ لیکن سب جہان کا معبود اور تدبیر کرنیوالا اور سب کو پیدا کرنے والا (خداوند تعالے) اپنے علم اور قدرت میں کامل ہے۔ پس اپنے کمال علم کے رو سے بہتری اور خرابی کے اندازوں کو جانتا ہے۔ اور کمال قدرت کے رو سے بہتری عطا کرنے اور خرابی کے دُور کرنے پر قادر ہے۔ پس ضرور ضرور حیوانات کی بناوٹ کو اُس معبود حقیقی کی طرف منسوب کرنا چاہئے۔ اور طبیعت کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہے"۔

مرزا صاحب! دیکھئے قرآن شریف کے نکتے ایسے ہوتے ہیں۔ جو امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں نہ کہ جو آپ بیان کرتے ہیں۔ اور محاورات زبان اور اصول اسلام کے بھی خلاف ہوتے ہیں۔

قسم سوم میں سے ساتویں آیت یہ ہے۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (انبیاء) مرزا صاحب اِس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں"۔ کوئی ہمنے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو"۔ ناظرین خیال فرماسکتے ہیں کہ یہ ترجمہ قرآن شریف کے الفاظ سے کس قدر اجنبی ہے اور اس کی اُردو ہی صحیح نہیں۔

قسم سوم میں سے آٹھویں آیت یہ ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ (فرقان) "یعنے ہمنے تجھ سے پہلے جسقدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرتے تھے"۔

اِن دونوں آیتوں سے مرزا صاحب حضرت مسیح علیہ السّلام کی وفات اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ انسان بغیر کھانے کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور چونکہ حضرت عیسےٰ کو آسمان پر کھانا نہیں ملسکتا اِسلئے وہ فوت ہوچکے ہیں"۔

مرزا صاحب معارف قرآنی تو درکنار مراد قرآنی کے سمجھنے سے بھی کئی منزلیں دُور

رہتے ہیں۔ نہ سمجھتے ہیں نہ سوچتے ہیں۔ اور نہ سلسلہ کلام پر نظر کرتے ہیں۔ اپنی بے تکی ہانکتے جاتے ہیں۔

اِن آیتوں کی صحیح مراد یہ ہے کہ کفار نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے پینے اور بازار میں چلنے پر اعتراض کیا تھا۔ کہ یہ کام منصب نبوت کے منافی ہیں جیساکہ اللہ تعالے نے سورہ فرقان کے شروع میں ذکر کیا۔ کہ "(کفار مکہ) کہتے ہیں

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (پارہ ۱۸)

کہ یہ رسول کیسا ہے؟ جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے"

گویا کفار نے رسول برحق کے لئے ضروری مانا ہوا تھا۔ کہ وہ کھانے اور بازاروں میں چلنے سے پاک ہو۔ اللہ تعالے نے اسکا جواب فرمایا کہ اے پیغمبر ہمنے تجھ سے پیشتر جس کسی کو اپنا رسول کر کے بھیجا ہے۔ ان میں بھی یہ باتیں پائی جاتی تھیں۔ جب وہ باوجود اِن باتوں کے رسول تسلیم کئے جاتے ہیں۔ تو اگر تم میں بھی یہ اوصاف پائے گئے ہیں تو انکار کی کیا وجہ ہے"۔ دوسرا جواب یہ دیا"۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ یعنے ہم نے اپنے رسولوں کو بیجان دھڑ نہیں بنایا۔ کہ اُنکے لئے کھانا ضروری ہو"۔ جس کا ترجمہ مرزا صاحب یوں کرتے ہیں"۔ کوئی ہمنے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو"۔

دیکھئے تو علاوہ بے ڈھنگی اُردو ہونے کے الفاظ و مراد قرآنی سے کسقدر اجنبی ہے علاوہ بریں اس طرف خیال فرمایئے کہ ان آیتوں کو اور اس مضمون کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی موت قبل النزول سے کیا تعلق و نسبت ہے۔

آیئے مرزا صاحب ہم آپ کو ایک نکتہ بتاتے ہیں۔ اگر خود سمجھ نہ سکیں تو فاضل امروہی کو پاس بٹھاکر سمجھ لیں کہ آیت وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ میں جملہ لَا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ صفت ہے جَسَدًا کی اور جسد اور جسم آپسمیں ہم معنے ہیں اور دلیل اُن کے ہم معنے ہونے کی یہ ہے کہ دونوں کے فا کلمہ اور لام کلمہ میں جیم اور سین ہے۔ پس اس آیت سے یہ حاصل ہوا۔ کہ اللہ تعالے نے جسد محض (بیجان دھڑ) سے بالضرورۃ طعام سے فائدہ مند ہونے کی نفی کی ہے۔ اور اس کے لئے نہ کھانا ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن زندہ جسد سو اُسکے لئے یہ ضروری نہیں کہ کھائے

اور نہ یہ ضروری ہے کہ نہ کھائے۔ کیونکہ لغت میں جسد انسانوں اور فرشتوں اور جنوں سب کے جسم کے لئے ہے۔ جیساکہ قاموس میں ہے الجَسَدُ محرّکۃ جسم الانسان والجن والملائکۃ اور معلوم ہے کہ فرشتے فطرۃً طعام وغیرہ حاجات بشریہ کے محتاج نہیں ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں یہ ہرگز ملحوظ نہیں کہ ہر زندہ چیز کے لئے کھانا ضروری ہے۔ ہاں یہ ضرور ملحوظ ہے۔ کہ ہر بیجان جسم کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ کھائے سو اُس کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی وفات سے کچھ تعلق نہیں۔

پس جب آسمان پر فرشتے بغیر طعام کے زندہ ہیں تو حضرت مسیح علیہ السّلام بھی جو پیدائش کے لحاظ سے فرشتوں کی مشابہ ہیں۔ اور اسی مشابہت کی وجہ سے آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ بغیر طعام کے زندہ رہ سکتے ہیں۔

مرزا صاحب کا یہ ترجمہ کہ "کوئی ہمنے ایسا جسم نہیں بنایا کہ زندہ تو ہو مگر کھانا نہ کھاتا ہو" علاوہ اِسکے کہ قرآن شریف کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ اپنے مضمون کے لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتے اجسام ہی ہیں۔ اور زندہ بھی ہیں اور انپر جسد کا لفظ بولا بھی جاتا ہے۔ اور پھر وہ کھانا نہیں کھاتے۔

اس آیت پر اور زیادہ بھی لکھ سکتے ہیں۔ مگر اتنا بیان کافی معلوم ہوتا ہے۔

قسم سوم میں سے نویں آیت یہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (نحل پ۱۴)

یعنے جو لوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے اور پکارے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں۔ مرچکے ہیں زندہ بھی تو نہیں ہیں اور نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائینگے" مرزا صاحب اِس آیت سے اِس طرح استدلال کرتے ہیں کہ جو کوئی اللہ کے سوائے پرستش کیا جاتا ہے ان سب کو اللہ تعالی مردہ کہتا ہے اور چونکہ عیسائی حضرت عیسٰے علیہ السّلام کو خدا مانتے ہیں اِسلئے ثابت ہوا کہ وہ بھی فوت شدہ ہیں۔

مرزا صاحب نے نہ تو آیت کا ترجمہ ٹھیک کیا ہے اور نہ اُس کی مراد صحیح کو پہنچے ہیں۔ جناب مرزا صاحب! "بغیر اللہ کے" میں ب کس قسم کی ہے اور اس کے کیا معنے

ہیں۔ کیا آپ "غیر اللہ اور بغیر اللہ میں فرق نہیں جانتے۔۔؟

اس آیت پر مرزائی پارٹی بڑا فخر کیا کرتی ہے۔ اور اسے مسیح علیہ السّلام کی وفات کے لیئے جلالی آیت کہا کرتی ہے۔ مگر جس طرح سے مرزا صاحب محاورات عربیہ کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسی طرح اُن کے مرید بھی اس کمال سے بے بہرہ ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت بتوں کے حق میں ہے۔ اُن کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ کفار مکہ اللہ کے سوائے جن کو پکارتے ہیں۔ وہ بیجان ہیں۔ کیونکہ سورت نحل جسکی یہ آیت ہے مکی ہے۔ لہذا یہ آیت مکّہ کے کفار کی تردید کے لئے نازل ہوئی۔ نہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی تردید کے لئے۔ اسپر مرزائیوں کی طرف سے یہ جواب ہوا کرتا ہے۔ کہ آیت میں اَلَّذِیْنَ کا لفظ ہے۔ جو ذوی العقول کے لئے آیا کرتا ہے پس اس میں عیسائیوں اور یہودیوں کی تردید ہے۔ جنکے معبود ذوی العقول اشیا میں سے ہیں۔ یعنے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام اور حضرت عزیر علیہ السّلام۔ ہم کہتے ہیں اَلَّذِیْنَ کا ذوے العقول سے مخصوص ہونا کسی کتاب علم نحو یا لغت میں تو نہیں لکھا۔ مرزا صاحب اور اُن کی ذریت کی اپنی عربی بولی میں ہوگا۔ جو ہم پر حجت نہیں بلکہ زبان عربی میں اَلَّذِیْ اور اُس کی مؤنث اَلَّتِیْ کا استعمال جاندار وغیر جاندار ذوی العقول دونوں طرح کی اشیاء پر آیا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ذیل:۔

پہلی آیت۔ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (انعام) ترجمہ۔ پھر سُنا اُن کو دی ہمنے موسےٰ کو کتاب پوری کرکے ایسے طریق سے جو بہت خوب ہے۔ اور تفصیل ہر شئے کی۔

اس آیت میں لفظ اَحْسَنَ کی نسبت مفسرین کے دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ احسن بجگہ صیغہ ماضی معلوم از باب افعال ہے۔ دوم یہ کہ اسم تفصیل کا صیغہ ہے۔ پس احسن کو صیغہ ماضی جاننے سے اَلَّذِیْ ذی عقل کے لئے ہوگا۔ اور اسکے اسم تفضیل ہونے پر اسکا غیر عاقل کے لئے ہونا صاف ظاہر ہے۔ مغنی اللبیب باب الموصول صفحہ ۱۳۷ جلد دوم میں اس آیت کی نسبت لکھا ہے۔ ویکون احسن حینئذ اسم تفضیل لا فعلا ماضیا و فتحتہ اعراب لا بناء وھی علامۃ الجر

لہ۔ دیکھو الدلیل الصریح مصنفہ مولوی مبارک علی سیالکوٹی بر حاشیہ صفحہ آخر

دوسری آیت وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (انعام و بنی اسرائیل):-
"یعنے یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ۔ مگر ایسے طریق سے جو بہتر ہو"
تیسری آیت۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَھَاءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا (نساء)
یعنے اپنے وہ مال جو اللہ نے تمہارے لئے گزران کا سبب بنائے ہیں بیعقلوں کو نہ پکڑا دو" اسی طرح اَلَّذِیْ کا غیر ذوی العقول کے لئے بھی مستعمل ہونا شعراء کے کلام سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ مُتنبی جسنے مرزا صاحب کی طرح اپنی فصاحت اور بلاغت کے گھمنڈ پر نبوت کا دعوے کیا تھا۔ اور اسی لئے اُس کو متنبی یعنے بناوٹی نبی کہا جاتا ہے۔ اپنے دیوان میں جس کی فصاحت و بلاغت علماء میں مسلم ہے کہتا ہے

وَالَّذِیْ تُنْبِتُ الْبِلَادُ سُرُوْرٌ ۔۔۔ وَالَّذِیْ تُمْطِرُ السَّحَابُ مُدَامُ

ترجمہ" اب جو کچھ شہروں کی زمین میں اُگے گا وہ شراب ہی ہوگا۔ اور جو کچھ بادل برسا رہے ہیں وہ بھی شراب ہی ہوگا"

اسی طرح دیوان ابی العتاہیہ میں ہے۔ ؎

اِلٰھِیْ لَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنِّیْ ۔۔۔ مُقِرٌّ بِالَّذِیْ قَدْ کَانَ مِنِّیْ

ترجمہ" اے اللہ مجھے عذاب نہ کر کیونکہ میں جو کچھ مجھ سے ہو چکا ہے اسکا اقرار کرتا ہوں"

اسی طرح رضی شرح قافیہ باب موصول بیان ذوالطائیہ میں ہے ؎

فَاِنَّ الْمَاءَ مَاءُ اَبِیْ وَجَدِّیْ ۔۔۔ وَبِئْرِیْ ذُوْ حَفَرْتُ وَذُوْ طَوَیْتُ

ترجمہ" کیونکہ وہ پانی تو میرے باپ دادا کا ہے ۔۔۔ اور کنواں بھی میرا ہے جو میں نے کھودا اور سنوارا تھا

اِس شعر میں بنی طے کی لغت پر ذو یعنے اَلَّذِیْ ہے۔ اور غیر جاندار کے لئے مستعمل ہوا ہے +

اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ آیت زیر بحث میں اَلَّذِیْنَ سے کفار مکہ کے بُت مراد لینے محاورہ عرب کے خلاف نہیں۔ اگر کہا جائے کہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عام ہے۔ چاہے جاندار ہو چاہے بیجان سب کے لئے بولا جاتا ہے۔ پس اس میں کفار مکہ کے بُت بھی شامل ہیں۔ اور اُن کے سوائے اور بھی مثلاً حضرت مسیح اور عزیر علیہما السلام اور دیگر باطل معبود جو کسی قوم نے ٹھیرایا ہو کیونکہ اس آیت میں دو لفظ اموات اور غیر احیاء فرمائے گئے ہیں۔ یعنے جو جاندار اللہ کے سوائے معبود مانے گئے ہیں۔ اُن کے لئے تو اموات

فرمایا۔ پس اس میں حضرت مسیح علیہ السّلام اور عزیر علیہ السّلام اور دیگر جاندار آ گئے۔ اور غیر احیاء میں بیجان معبود بُت وغیرہ آ گئے۔ تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ بیشک کلمہ من دون اللہ عام ہے۔ جاندار اور بیجان دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالے کے سوائے ہر قسم کے باطل معبودوں کی تردید ہے۔ لیکن اس آیت کے رو سے یہہ کہنا کہ وہ سب جاندار وذوی العقول معبود جنکو لوگ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں۔ اس آیت کے نزول کے وقت مردہ تھے۔ یا فی الحال مرے ہوئے ہیں۔ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت کفار مکہ فرشتوں کو خدا تعالے کی **بیٹیاں** قرار دیتے تھے۔ اور اُنکی پرستش کرتے تھے۔ جیساکہ قرآن شریف میں یہ مضمون کئی مقامات پر مذکور ہے۔ حالانکہ فرشتے جن کو کفار پکارتے تھے۔ اِس آیت زیر بحث کے نزول کے وقت زندہ تھے۔ اور اب تک زندہ ہیں۔ پس اگر اس آیت کے رو سے جملہ معبودات باطلہ فی الحال مردہ ثابت ہوتے ہیں۔ تو فرشتوں کی نسبت کیا جواب ہوگا۔ جیساکہ پ۱۴ ع ۱۳۔ اور نیز پ۲۵ ع ۷ اور نیز پ۲۳ ع ۹۔ اور پ۲۶ ع ۴ میں مذکور ہے۔ کہ کفار مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں ✦ **دیگر** یہہ کہ اگر کوئی شخص یا قوم اسوقت کسی زندہ شخص کو معبود قرار دے لے۔ تو اس کو اس آیت کے رو سے جیتے جی کس طرح مردہ تسلیم کر سکتے ہیں پس آیت اپنے مطلب میں غیر کافی رہیگی جس سے قرآن شریف پاک ہے ✦

اموات کے متعلق اصل **نکتہ** یہ ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالے کے سوائے اِن سب معبودوں پر جو اسوقت مردہ ہیں اور جو اسوقت زندہ ہیں دونوں پر صادق آ سکتا ہے۔ فوت شدوں پر اس طرح کہ وہ موت چکھے ہوئے ہیں۔ اور مردہ خدائی کے لائق نہیں۔ اور جو زندہ ہیں اُنپر اس طرح کہ جو آخر کار مر جائیگا۔ وہ بھی خدائی کے لائق نہیں۔ کیونکہ جو اپنے بقا اور زندگی پر قادر نہیں۔ وہ کس طرح معبود ہو سکتا ہے دیکھئے قرآن شریف میں زندوں پر بھی میّت کا لفظ آیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ اِن سب کو انجام کار موت چکھنی ہوگی۔ جیساکہ فرمایا اللہ سبحانہ نے سورۂ **زمر** میں

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (پ ۲۳ - رکوع اخیر)	"تو بھی میّت ہے اور یہ (کافر) بھی **میّت** ہیں"

اِس آیت میں آنحضرت صلعم کو **میّت** کہا گیا ہے۔ حالانکہ آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اِس آیت کے نزول کے وقت صفحہ دُنیا پر موجود تھے۔ اور اسی طرح آپ کے مخالفین کفار کو بھی **میّت** کہا گیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی زندہ موجود تھے۔ پس زندوں پر بھی اِس لحاظ سے میّت کا لفظ بولنا جائز ہے۔ کہ وہ سب انجام کار اپنے مقرر وقت پر مر جائینگے۔ پس اسی طرح حضرت مسیح علیہ السّلام اِس آیت زیر بحث کے حکم میں اِس لحاظ سے داخل ہیں۔ کہ وہ بھی آخر کار مر جائیں گے۔ جیساکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ نہ اِس لحاظ سے کہ وہ اس وقت یا اس آیت کے نزول کے وقت مر چکے تھے۔ حاشا وکلا۔ قرآن شریف کا ہرگز یہہ منشا نہیں ہے۔ اس آیت کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی زندگی و موت ہر دو سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ لفظ **میّت** کا اطلاق جیساکہ ہمنے قرآن شریف سے ثابت کر دکھایا ہے۔ مردوں اور زندوں دونوں پر جائز ہے۔ پس اگر کسی خارجی دلیل سے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی موت ثابت ہے تو بیشک آپ اس آیت میں اس لحاظ سے داخل ہیں کہ آپ مر چکے ہوئے ہیں۔ لیکن چونکہ حضرت عیسے علیہ السّلام کی وفات قبل النزول کسی خارجی دلیل سے ثابت نہیں۔ اسلئے آپ مرے بھی نہیں۔ اور اگر کسی خارجی دلیل سے آپ کی حیات ثابت ہے تو بیشک آپ اس آیت میں اس لحاظ سے داخل ہو سکتے ہیں۔ کہ آپ آخر کار مر جائینگے۔ اور چونکہ آپ کی زندگی قرآن وحدیث ہر دو سے ثابت ہے۔ جیساکہ اس **کتاب کا پہلا باب** بلند آواز سے شہادت دے رہا ہے اِسلئے آپ ابھی مرے نہیں +

پس مرزا صاحب کا اِس آیت زیر بحث کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی وفات کی دلیل سمجھنا عجب طرح کی اُلٹی منطق اور غلط استدلال ہے۔

امام فخرالدین رازی رح نے اس آیت کے حکم میں فرشتوں کو بھی داخل کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہی بتائی ہے۔ کہ آخر کار وہ بھی مر جائینگے۔ چنانچہ فرمایا کہ تیسرا جواب یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے مراد فرشتے ہیں۔ اور

(الثالث) ان یکون المراد بقولہ والذین یدعون من دون اللہ الملائکۃ وکان ناس من

کفار میں سے کئی لوگ اُن کی بھی پرستش کرتے تھے۔ پس اللہ تعالے نے فرمایا کہ

غیر احیاء اے غیر باقیۃ حیاتھم (تفسیر کبیر جلد ۵ صـ۳۱۱)	وہ اموات ہیں۔ یعنے موت سے اُن کو بھی بچاؤ نہیں وہ غیر احیاء ہیں۔ یعنے اُن کی

زندگی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔"

قسم سوم میں سے دسویں آیت یہ ہے۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ (پارہ ۲۱ - سورہ روم) یعنی اللہ وہ ہے جسنے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو رزق دیا۔ پھر تم کو مار یگا۔ پھر تم کو زندہ کریگا"۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنا قانون قدرت بتلایا ہے۔ کہ انسان کی زندگی میں صرف چار واقعات ہیں۔ پہلے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر تکمیل اور تربیت کے لئے روحانی اور جسمانی طور پر رزق مقسوم اسے ملتا ہے۔ پھر اُسپر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر وہ زندہ کیا جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ان آیات میں کوئی ایسا کلمہ استثنائی نہیں جسکے رو سے مسیح ؑ کے واقعات خاصہ باہر رکھے گئے ہوں"۔

قسم سوم میں سے گیارھویں آیت یہ ہے۔ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ (پ ۵ - س - النساء) یعنے جس جگہ تم ہو۔ اُسی جگہ موت تمہیں پکڑے گی۔ اگرچہ تم بڑے مرتفع برجوں میں بود و باش اختیار کرو"۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ اس آیت میں حضرت مسیح ؑ کو مستثنےٰ نہیں کیا گیا۔ اِسلئے حضرت مسیح ؑ مر گئے"۔

اِن آیتوں سے جس طریق سے مرزا صاحب نے استدلال کیا ہے۔ اسکا تفصیلی رد اور جواب صفحہ ۶۵ سے صفحہ ۷۰ تک گزر چکا ہے کہ استثنا کے لئے ضروری نہیں کہ اسی عبارت میں موجود ہو۔ بلکہ قرآن شریف میں جہاں کہیں کسی امر کی تصریح پائی جائے۔ اور وہ کسی حکم عام کے خلاف نظر آئے تو وہ اِس عام حکم سے مستثنےٰ شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس کی نظیریں بھی گزر چکی ہیں۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ انسان کے لئے یہ چاروں مراتب ہیں۔ اور اس سے عمر طبعی کے الحاد کا استدلال کرنا سو یہ بھی اچھی طرح سے باطل ثابت ہو چکا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ آئتیں کسی طرح اشارۃً یا دلالۃً حضرت مسیح علیہ السّلام کی موت پر دلالت کریں بھی تو بھی بمقابلہ ان تصریحات کے جو آیات اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ اور بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ

اِلَیہِ اور وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ میں آپ کی زندگی اور رفع آسمانی کے بارے میں موجود ہیں کچھ مفید نہیں کیونکہ دلیل خاص دلیل عام پر مقدم ہوتی ہے۔ اور عبارت النص کے مقابلے میں اشارۃ اور دلالۃ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح منطوق کے مقابلہ میں مفہوم کو پیش نہیں کرسکتے۔

قسم سوم میں سے بارھویں آیت یہ ہے یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ مرزا صاحب اِس آیت کا ترجمہ اِس طرح کرتے ہیں"۔ یعنے اَے نفس بحق آرام یافتہ اَپنے رب کی طرف واپس چلا آ تو اُس سے راضی اور وہ تُجھ سے راضی۔ پھر اس کے بعد میرے اُن بندوں میں داخل ہوجا جو دُنیا کو چھوڑ گئے ہیں اور میرے بہشت کے اندر آ"۔

اور پھر اِس سے حضرت عیسے علیہ السّلام کی وفات پر اِس طرح استدلال کرتے ہیں"۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان جب تک فوت نہ ہوجائے گزشتہ لوگوں کی جماعت میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتا۔ لیکن معراج کی حدیث جسکو بخاری نے بھی مبسوط طور پر اپنے صحیح میں لکھا ہے ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت شدہ نبیوں کی جماعت میں داخل ہے۔ لہذا حسب دلالت صریحہ اس نص کے مسیح ابن مریم کا فوت ہوجانا ضروری طور پر ماننا پڑا"۔

قسم سوم میں سے تیرھویں آیت یہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ۔ مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں"۔ یعنے جو لوگ جنتی ہیں اور اُن کا جنتی ہونا ہماری طرف سے قرار پاچکا ہے وہ دوزخ سے دُور کئے گئے ہیں اور وہ بہشت کی دائمی لذات میں ہیں"۔ اور پھر کہتے ہیں" اس آیت سے مراد حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السّلام ہیں اور اُن کا بہشت میں داخل ہوجانا اس سے ثابت ہوتا ہے جس سے اُن کی موت بھی بپایہ ثبوت پہنچتی ہے"۔

قسم سوم میں سے چودھویں آیت یہ ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ (سورہ قمر پ۲۷) مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں"۔ یعنے متقی لوگ جو خدا تعالےٰ سے ڈر کر ہر ایک قسم کی سرکشی

کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہونے کے بعد جنات اور نہر میں ہیں صدق کی نشستگاہ میں باقتدار بادشاہ کے پاس۔" "فوت ہوجانے کے بعد" مرزا صاحب نے از خود بڑھایا ہے۔ قرآن شریف میں اسکے لئے کوئی لفظ نہیں۔

اِن تینوں آیتوں سے حضرت مسیح علیہ السّلام کی وفات پر استدلال پکڑنے کے **جواب** میں اول تو یہی کافی ہے۔ کہ ان آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السّلام کی وفات کا ذکر نہیں ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی رائے و قیاس سے نتیجہ نکالا ہے اور ان کا یہ قیاس ان آیات کے منطوق کے خلاف ہے۔ جو خاص طور پر حضرت عیسے علیہ السّلام کی زندگی اور نزول ثابت کر رہی ہیں۔ لہذا یہ استدلال درست نہیں۔ لیکن **تفصیلی جواب** یہ ہے۔ کہ بہشت میں داخل ہونا روز قیامت کو ہوگا۔ نہ کہ مرنے کے ساتھ ہی۔ اگر یہ درست ہے کہ موت کے ساتھ ہی بہشت میں دخول ہوجاتا ہے۔ تو پھر **قیامت** کس لئے ہے۔ پس یہ آیتیں مرزا صاحب کو کسی طرح بھی مفید نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالے کے علم میں جو لوگ جنتی ہیں۔ ضرور نہیں کہ وہ اسوقت بھی مُردہ ہوں۔

مرزا صاحب نے پہلی آیت کے ساتھ حدیث معراج کو ملا کر جو استدلال کیا ہے وہ بھی ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اول تو مرزا صاحب معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ جیساکہ وہ اپنے ازالہ میں لکھتے ہیں "سیر معراج اِس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا۔" (ازالہ اوہام) **دیگر** یہ کہ مرزا صاحب نے معراج کی سب حدیثوں پر نظر نہیں کی اگر کرتے تو آپ کو معلوم ہوجاتا کہ بعض حدیثوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم حضرت عیسے علیہ السّلام کی اپنی زبان مبارک سے نزول ثانی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ **سنن ابن ماجہ** میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے موقوفاً اور **مسند امام احمد** میں مرفوعاً صحیح سند سے مروی ہے۔ کہ جس رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرایا گیا اُس رات آپؐ نے حضرت ابراہیم اور حضرت موسی اور حضرت عیسے علیہما السلام (اولوالعزم پیغمبروں) سے ملاقات کی۔ تو ان سب میں

عن عبد الله ابن مسعود قال لما كان ليلة اسرے برسول الله صلى الله عليه وسلم لقى ابراهيم وموسٰى وعيسٰى فتذاكروا الساعة فبدؤا بابراهيم

فسألوا عنها فلم يكن عنده منها علم ثم سألوا موسى فلم يكن عنده منها علم فرد الحديث الى عيسى ابن مريم فقال قد عهد الى فيما دون وجبتها فاما وجبتها فلا يعلمها الا الله فذكر خروج الدجال قال فانزل فاقتله الحديث

(سنن ابن ماجه باب فتنة الدجال وخروج عيسے بن مريم وخروج ياجوج و ماجوج صفحہ ۳۰۹)

قیامت کی بابت ذکر چلا۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السّلام سے پوچھا گیا۔ آپ کو قیامت کے وقوع کی بابت کوئی خبر نہ تھی پھر موسے علیہ السّلام سے پوچھا گیا آپ کو بھی کچھ معلوم نہ تھا۔ پھر حضرت عیسے علیہ السلام کی باری آئی تو آپ نے کہا کہ ہاں قیامت کے نزدیک اللہ تعالے کا مجھ سے عہد ہے لیکن قیامت کے واقع ہونے کا وقت سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ پھر آپ نے **دجال** کا ذکر کیا اور کہا **پھر میں نازل ہونگا اور اُسکو قتل کرونگا**۔ الحدیث *

اس حدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قرب قیامت میں نازل ہونے کی بابت ذکر کر رہے ہیں۔ مرزا صاحب چاہے کیسے استدلال پیش کریں اور نصوص کو چاہے کیسے بعید احتمال سے رد کریں۔ اس حدیث کی تصریح کے مقابلہ میں اُنکے مفید مطلب کوئی بات بن نہیں پڑتی۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات ابراہیم و موسے و عیسے علیہم السّلام تینوں سے ملاقات کی تو بہر حال تینوں کو ایک حال میں ماننا پڑیگا خواہ ابراہیم اور موسے علیہما السّلام کو عیسے علیہ السّلام کی طرح زندہ مانو خواہ عیسے علیہ السّلام کو اُن کی طرح فوت شدہ تسلیم کرو۔ تو اُسکا جواب یہ ہے۔ کہ ملاقات تین طرح پر ہوتی ہے۔ اوّل ہر دو جانب سے بدنی ملاقات و مصاحبت ہو۔ دوم یہ کہ ہر دو جانب سے روحانی ہو۔ سوم یہ کہ ایک طرف سے روحانی اور دوسری طرف سے بدنی۔ سو معراج کی رات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ تینوں کیفیتیں پوری کی گئیں۔ تاکہ آپ کو ہر طرح کا کمال حاصل ہو۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السّلام سے آپ کو قسم سوم کی ملاقات ہوئی۔ یعنے آپ کی طرف سے بدنی ملاقات تھی۔ اور اُن کی طرف سے

روحانی - کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج جسم مبارک کے ساتھ کرایا گیا تھا - جیساکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے - اور رسالہ سُلَّمُ الْوُصُوْلِ اِلٰی اَنْمَارِ اِسْرَآءِ الرَّسُوْلِ میں بڑی تحقیق وتدقیق سے ثابت کیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی وفات قرآن اور حدیث صحیح بخاری سے ثابت ہے - پس حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السّلام کی طرف سے روحانی ملاقات تھی - اور آنحضرت صلعم کی طرف سے جسمانی +

اِسی طرح حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السّلام کو آپ میں قسم دوم کی ملاقات تھی - یعنے دونوں طرف سے روحانی - اور اُن کے ساتھ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو نبی صلعم کی طرح قسم سوم کی ملاقات تھی یعنے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی طرف سے جسمانی تھی - اور اُن کی طرف سے روحانی - کیونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی رفع آسمانی جسمانی قرآن شریف سے ثابت ہے - جیساکہ اسی کتاب کا پہلا باب بآواز بلند قرآنی شہادت پکار رہا ہے - باقی رہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی ملاقات سو یہ قسم اول میں سے تھی یعنے دونوں طرف سے جسمانی - کیونکہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت روح اللہ علیہ السّلام دونوں کا معراج جسمانی قرآن شریف سے ثابت ہے - پس معترض کا اعتراض باطل ہوا - ملاقات کی تقسیم جو اوپر کی گئی ہے - مرزا صاحب کی طرح از خود نہیں بنائی گئی - بلکہ اہل اللہ کے نزدیک مسلم ہے اور حدیث صحیح بخاری سے ماخوذ ہے - اور وہ حدیث یہ ہے +

عن ابن عباس قال مر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لا یستتر من البول واما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا نصفین فغرز فی کل قبر واحدۃ قالوا یا رسول اللہ لم فعلت قال لعلہ یخفف	"حضرت ابن عباس رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں پر گئے تو آپ نے فرمایا کہ ان مُردوں کو عذاب ہو رہا ہے - اور جس گناہ کی بابت اُن کو عذاب ہو رہا ہے - اُس سے بچنا کوئی بڑی بات نہیں ایک تو پیشاب سے پرہیز نہیں کیا کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا -

عنہما مالہ ییبسا (صحیح بخاری کتاب الوضو) پھر آپؐ نے ایک ہری ٹہنی لی اور اُس کے دو ٹکڑے کئے ایک کو ایک قبر پر گاڑا اور دوسرے کو دوسری پر۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جو ساتھ تھے اُنہوں نے عرض کیا۔ اَے اَللہ کے رسول صلعم آپؐ نے ایسا کس لئے کیا۔ آپؐ نے فرمایا اُمید ہے کہ اِن ٹہنیوں کے خشک رہنے تک اُنسے عذاب ہلکا کیا جائے گا۔"

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ پس یہ متفق علیہ ہونیکی وجہ سے اول درجہ کی صحیح حدیث ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ قسم اول کی ملاقات تھی یعنے ہر دو جانب سے بدنی مصافحت تھی۔ اور اُن مُردوں کے ساتھ قسم سوم کی۔ یعنے آپ کی طرف سے بدنی تھی۔ اور اُن کی طرف سے روحانی + اِسی طرح جنگ بدر کے مقتول کافروں کو جب گڑھے میں ڈالا گیا تو آپؐ نے کنارے پر کھڑے ہوکر اُن کے نام مع ولدیت کے پکار کر کہا کہ کیا اب تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے یا نہیں کہ تمنے اَللہ تعالے اور اُس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ ہمنے تو اَپنے رب کا وعدہ سچا دیکھ لیا۔ کیا تمنے بھی وہ وعدہ جو عذاب کے بارے میں تُمسے کیا جاتا تھا سچا پالیا یا نہیں۔ جب آپؐ نے اِن لاشوں سے ایسی باتیں کیں تو پاس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ ایسے جسموں سے باتیں کرتے ہیں جن میں روح نہیں آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم جسکے قبضے میں میری جان ہے کہ تم اسبات کو جو میں اُن سے کہتا ہوں اُن سے زیادہ نہیں سنتے۔" یعنی وہ اسوقت بہ سبب صاحب حال ہونے کے میری بات کو بالکل حق الیقین کے مرتبے پر مانتے ہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالے نے آپؐ کی آواز اُن کو بطور معجزہ سنادی۔"

یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے۔ اور اِس سے بھی تقسیم مذکور واضح ہے۔ پس مرزا صاحب کا آیات زیر بحث کے ساتھ حدیث معراج کو ملا کر حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی وفات کا وہم کرنا صحیح نہیں +

قسم دوم سے پندرھویں آیت اور مرزا صاحب کی ترتیب کی اکیسویں آیت یہ ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

"یعنے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے۔ مگر وہ رسول اللہ ہے۔ اور ختم کرنیوالا نبیوں کا"۔ اس آیت کے ذیل میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔
"یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ بعد ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی رسول دُنیا میں نہیں آئیگا پس اِس سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ دنیا میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ مسیح ابن مریم رسول ہے اور رسول کی حقیقت اور ماہیت میں یہ امر داخل ہے۔ کہ دینی علوم کو بذریعہ جبرائیل حاصل کرے اور ابھی ثابت ہو چکا ہے۔ کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔ اِس سے ضروری طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مسیح ابن مریم ہرگز نہیں آئیگا۔ اور یہ امر خود مستلزم اس بات کو ہے کہ وہ مرگیا"۔

مرزا صاحب کا یہ استدلال حضرت مسیح ؑ کی موت اور اُن کے نازل نہونے کے بارے میں تو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کا استدلال محض قیاسی ہے اور حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی رفع آسمانی اور زندگی اور نزول قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ ہاں اِس آیت سے مرزا صاحب کا دعوی نبوت ضرور جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ جیساکہ انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

مرزا صاحب کا اِس آیت سے منشا یہ ہے کہ اگر عیسے علیہ السّلام دوبارہ آویں تو یا تو آپ منصب نبوت سے معزول ہوکر آوینگے یا نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیّین نہ رہیں گے۔ سو اسکا **جواب** یہ ہے۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی جدید نبی منع ہے۔ جیساکہ آپ کے بعد مرزا صاحب اور آپ کے دوسرے ہم مشربوں نے نبوت کا دعوے کیا ہے اگر کوئی پچھلا نبی جس کو آپ سے پیشتر نبوت مل چکی ہو پھر آوے تو وہ اِس کے رو سے منع نہیں۔ جیسے کہ عیسے علیہ السّلام کہ اُن کو آپ سے پیشتر نبوت مل چکی ہوئی ہے اور جب پھر نازل ہونگے تو اُن کی نبوت وہی ہوگی۔ جو پہلے تھی۔ نہ کہ مرزا صاحب کی طرح نئی نبوت + احادیث نبویہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔ چنانچہ مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بیشک رسالت اور نبوت ختم ہوچکی ہے پس

عن انس بن مالک رض قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی (مسند امام احمد)

میرے بعد کوئی نبی یا رسول نہ ہوگا"۔

مسند امام احمد میں بروایت حضرت ابی بن کعب ایک اور حدیث ہے کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میری مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ایک حویلی تعمیر کرائے۔ مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی رہجاوے۔ (جب لگے تو وہ حویلی پوری ہو) پس میں پیغمبروں میں اُس آخری اینٹ کی مانند ہوں" (صحیح بخاری ملخصاً)

اِن احادیث اور ان کی مانند دوسری احادیث کو زیر نظر رکھنے سے صاف کھل جاتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی فرماتے ہیں کہ مجھے نبوت عطا ہونے کے بعد اب کسی اور شخص کو منصب نبوت نہیں ملیگا۔ نیز مفسرین علیہم الرحمۃ نے اِس خدشہ کو اِسی طرح دور کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر "ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم" میں آیت خاتم النبیین کے ذیل میں لکھا ہے۔ کہ آپ کے

ولا یقدح فیہ نزول عیسی بعدہ علیہما السلام لان معنے کونہ خاتم النبیین انہ لا ینبأ احد بعدہ وعیسی ممن نبئ قبلہ وحین ینزل انما ینزل عاملا علی شریعۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم مصلیا الی قبلتہ کانہ بعض أمتہ۔

خاتم النبیین ہونے میں عیسٰے علیہ السلام کے نزول سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد کسی کو نبوت ملیگی نہیں اور عیسٰے علیہ السّلام تو ان میں سے ہیں۔ جو آپ سے پہلے نبی بنائے گئے ہیں۔ دیگر یہ کہ جب وہ نازل ہونگے تو آپ ہی کی شریعت پر عمل کرینگے اور آپ ہی کے قبلے کی طرف مُونہہ کرکے نماز پڑھینگے۔ گویا وہ آپ کی اُمت میں سے ہیں"۔ (پس اس لحاظ سے بھی کوئی حرج واقع نہوا)۔

اسی طرح دیگر تفاسیر میں ہے مثلاً **بیضاوی۔ خازن۔ مدارک اور فتح البیان** اگر حضرت عیسے علیہ السلام کے نزول سے آنحضرت صلعم کی ختم نبوت میں کچھ حرج ہوتا ہے تو کیا مرزا صاحب کے دعوے نبوت سے حرج نہیں آتا۔ اور اگر مرزا صاحب **بروز** کا (جو باطل ہے) عذر کرکے اس زد سے بچ سکتے ہیں۔ تو کیا عیسے علیہ السّلام کی طرف سے یہ عذر کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے پہلے کے نبی ہیں اور آیت میں اور حدیث میں کسی نئے نبی کی بابت نفی ہے صحیح نہیں۔؟ انصاف!۔ انصاف!!۔ انصاف!!!

اگر عدل و انصاف سے سوچا جائے تو جس صورت سے مرزا صاحب نے اور آپ کے متقدمین دجالوں نے نبوت کا دعوے کیا ہے قرآن وحدیث میں اسی کی تردید ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی۔ حتیٰ کہ میری اُمت میں سے قریبًا **تیس دجال** نہ ہولیں جنمیں سے ہر ایک یہی کہیگا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔" اس حدیث کو حدیث لا نبی بعدی اور آیت خاتم النبیین کے ساتھ رکھ کر انصاف کریں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعوے نبوت وہ ہے۔ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مدعیان نبوت کو **دجّال** اور **کذاب** کہتے ہیں۔ پس آیت زیر بحث کے رو سے آپکا دعوے غلط نکلا نہ کہ عیسےٰ ؑ کا نزول ؏

حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے نزول کے انکار میں مرزا صاحب کے پاس کوئی معقول وجہ اور دلیل نہیں۔ صرف شکوک و شبہات ہیں۔ جن سے لوگوں کو بہکاتے ہیں اور اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک یہ شبہ بھی ڈالا کرتے ہیں کہ جب عیسے علیہ السّلام پھر نازل ہونگے تو کیا اُن کی نبوت چھینی جائیگی اور وہ کس شریعت پر عمل کرینگے۔ عیسوی شریعت پر یا محمدی پر۔ تو اِس کا **جواب** یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت چھینی نہیں جائیگی۔ کیونکہ اہل سنت کے نزدیک نبوت ایک ایسا منصب ہے جو چھننا نہیں جاتا (دیکھو تنبیہ ابی الشکور سالمیؒ) اور نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت منسوخ ہوگی۔ بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اسی اپنی پچھلی نبوت سے نازل ہونگے۔ اور شریعت محمدی پر عمل کرینگے۔ اور اُسی کے مطابق فیصلے کرینگے اسکی حکمت اور راز پہلے باب کے صـ۱۲۴ میں گزر چکی ہے۔ نیز یہ کہ ایک وقت میں دو نبیوں کا ہونا اور ایک کا امام ہونا اور دوسرے کا تابع ہونا ممتنع نہیں۔ بلکہ قرآن شریف سے بالتصریح ثابت ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السّلام دونوں ایک وقت میں ہوئے ہیں۔ اور دونوں نبی تھے۔ حضرت موسے علیہ السّلام اصل صاحب شریعت اور امام تھے۔ اور حضرت ہارون علیہ السّلام آپ کے تابع اور خلیفہ تھے

چنانچہ سورۂ فرقان میں فرمایا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا یعنے ہمنے موسی علیہ السّلام کو کتاب (توریت) دی اور اُس کے ساتھ اُسکے بھائی ہارون کو اُسکا وزیر بنایا۔" اِسی طرح سورہ اعراف میں فرمایا۔ کہ جب موسی علیہ السّلام حسب وعدہ الٰہی کوہ طور پر چلے تو اپنے بھائی ہارون علیہ السّلام

وَقَالَ لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ (اعراف پ۹)

کو کہنے لگے کہ میرے بعد میری قوم میں میرا خلیفہ رہنا۔"

اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام حضرت ہارون ؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ اور قوم کو صرف اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ہارون علیہ السّلام بھی نبی تھے۔ جیساکہ فرمایا اللہ تعالے نے۔ کہ "ہمنے موسی ؑ کو اپنی

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (مریم پارہ ۱۶)

رحمت سے اسکا بھائی ہارون نبی کرکے بخشا۔"

اِسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت لوط علیہما السّلام دونوں ایک وقت میں ہوئے ہیں۔ اور دونوں نبی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل صاحب شریعت اور امام تھے۔ اور حضرت لوط علیہ السّلام باوجو نبی ہونے کے اُن کے تابع تھے۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السّلام کی نبوت و رسالت کی بابت فرمایا۔ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (الصافات پ۲۳) یعنے بیشک حضرت لوط ؑ بھی رسولوں میں سے ہیں۔ اور اُن کی حضرت ابراہیم کے تابع ہونے کی بابت فرمایا فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ (عنکبوت پ۲۰) یعنے (حضرت) لوط (حضرت) ابراہیم (علیہما السلام) پر ایمان لائے"

اِسی طرح حضرت عیسٰے اور حضرت یحیٰی علیہما السّلام دونوں ایک وقت میں نبی تھے۔ اور حضرت عیسے علیہ السّلام امام تھے۔ اور حضرت یحیٰے علیہ السّلام اُن کی تابع تھے۔ جیسے کہ اللہ تعالے نے حضرت یحیٰے ؑ کی صفات میں فرمایا۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنے حضرت یحیٰے کلمۃ اللہ یعنے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی تصدیق کرنے والے ہونگے۔" پس اِسی طرح جب عیسے علیہ السّلام نازل ہونگے تو اسوقت شریعت محمدی منسوخ نہیں ہوجائیگی۔ بلکہ اصل صاحب شریعت اور امام جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہونگے۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السّلام آپکے

خلیفہ اور **وزیر** اور **تابع** بھی ہونگے اور **نبی** بھی ہونگے۔ اسی لئے **صحیح مسلم** کی حدیث جو حضرت نواس بن سمعان کی روایت سے ہے۔ اس میں آپ کو چار دفعہ **نبی اللہ** کہا گیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ جو کچھ تمنے لکھا ہے وہ ایسے نبیوں کی بابت ہے جو ایک زمانے میں دُنیا پر موجود تھے۔ مگر حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے نزول کی صورت میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیا میں تشریف نہیں رکھتے تو اسکا **جواب** یہ ہے کہ بلکہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے نزول کی صورت میں یہ امر بطریق اولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ جب حقیقتہً دو نبی اکٹھے ہوسکتے ہیں تو زمانہ اور زندگی کے لحاظ سے کیوں منع ہے۔ یعنی یہ کہ ایک تو باعتبار زمان نبوت کے ہو اور دوسرا اپنی حقیقی زندگی سے موجود ہو۔ تو کوئی حرج نہیں۔ لو آپ کی تسلی کے لئے ہم یہ امر بھی قرآن شریف سے ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (پ)	"ہم نے موسےٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور اُسکے بعد اُسکے قدم بقدم کئی رسول بھیجے

اسی طرح سورہ مائدہ میں فرمایا۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا	"کہ ہم نے توریت نازل کی اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اِس کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ خدا کے فرمانبردار نبی"

اِن آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ شریعت موسوی کی تابع کئی رسول مبعوث کئے گئے۔ اور وہ سب حضرت موسےٰ علیہ السّلام کی وفات کے بعد ہوئے پس حضرت موسےٰ علیہ السّلام کی وفات کے بعد اُنکے آئین و شریعت پر کئی نبیوں کے ہونے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عیسٰی ؑ کے نازل ہوکر دُنیا میں زندہ موجود ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے نازل ہونیکی حکمت اور ضرورت پہلے باب کے صفحہ ۱۲۴ و صفحہ ۱۲۵ میں گزر چکی ہے۔ پس ثابت ہوگیا۔ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ نبوت ختم ہونے کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے

آپ کے بعد کسی کو نبوت ملیگی نہیں نہ یہ کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام جن کو آپ سے پیشتر نبوت مِل چکی ہوئی ہے۔ نہیں آئینگے۔ بلکہ اِس آیت سے مرزا صاحب کی نبوت صاف جھوٹی ثابت ہوتی ہے۔ اور اُن لوگوں جیسی ہے۔ جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دجّال اور کذّاب کہا ہے۔ اور اُن کی تعداد تیس۳۰ کے قریب بتلائی ہے۔ جن میں سے بہت سے گزر چکے ہیں *

قسم سوم میں سے سولھویں آیت یہ ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ۱۴ ع ۱) - مرزا صاحب اِس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "یعنے اگر تمہیں اِن بعض امور کا علم نہ ہو۔ جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو۔ اور اُن کی کتابوں کے واقعات پر نظر ڈالو۔ تاکہ اصل حقیقت تمپر منکشف ہو جائے۔ سو جب ہمنے موافق حکم اِس آیت کے اہل کتاب یعنے یہود اور نصارے کی کتابوں کی طرف رجوع کیا۔ اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی گزشتہ کے آنیکا وعدہ دیا گیا ہو۔ تو وہی آجاتا ہے۔ یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنے ہوتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہمشکل ایک مقدمہ حضرت مسیح اِبن مریم آپ ہی فیصل کر چکے ہیں۔ اور اُنکے فیصلے کا ہمارے فیصلے کے ساتھ اِتفاق ہے۔ دیکھو کتاب سلاطین و کتاب ملاکی نبی اور انجیل جو ایلیا کا دوبارہ آسمان سے اُترنا کِس طور سے حضرت مسیح نے بیان فرمایا ہے"۔ انتہےٰ بالفاظہ

مرزا صاحب کی عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالے ہمکو اہل کتاب کی کتابوں کی طرف رجوع کرنیکا حکم کرتا ہے۔ پس اِس آیت کے حکم سے ہمنے بائیبل پر نظر کی تو اُس میں حضرت ایلیا کا آسمان سے اُترنا پایا۔ مگر اِسکی صورت حضرت مسیح نے یہ بیان فرمائی۔ کہ ایلیا کا آنا حضرت یحیےٰ کی آنے سے پورا ہو گیا ہے۔ پس اِسی طرح احادیث میں جو حضرت مسیح کا آسمان سے اُترنا آیا ہے۔ اُسکے معنے بھی یہی ہیں۔ کہ کوئی شخص مثیل مسیح آئیگا۔ چنانچہ وہ مَیں آگیا ہوں۔ اور حضرت مسیح فوت ہو چکے

ہوئے ہیں۔

مرزا صاحب کا استدلال بالکل غلط ہے۔ اور وہ آیت کے صحیح مطلب کو ہرگز نہیں سمجھے۔ اِس آیت زیر بحث کی صحیح تفسیر اِنشاء اللہ تعالےٰ ہم بعد میں کرینگے۔ پہلے مرزا صاحب کی مراد کے موافق فرض کرکے اُن کے استدلال کو غلط ثابت کرتے ہیں۔

اوّل۔ اِس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے ہمکو اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے کا حکم اِس شرط سے کیا ہے۔ کہ ہم کو اپنی شریعت میں وہ بات معلوم نہو۔ جیساکہ صاف ارشاد فرمایا۔ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنے اگر تم نہیں جانتے۔ پس جب آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ صلعم سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی حیات حقیقی اور رفع آسمانی اور نزول عینی ثابت ہے اور ہمیں اِس میں کوئی تردّد اور بے علمی کا خدشہ نہیں۔ تو ہم اہل کتاب کی کتابوں کی طرف کیوں رجوع کریں۔ کیا آسمانی اور حق اور محفوظ اور غیر محرف کتاب کو چھوڑکر بندوں کی بنائی ہوئی اور محرّف کتابوں کے پیچھے لگنا اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ کا مصداق نہیں۔ یعنے کیا تم بہتر چیز کے بدلے میں ادنیٰ چیز کو لیتے ہو"۔

دوم۔ اِس طرح کہ الیاس علیہ السّلام کے آسمان پر جانے اور وہاں سے پھر اُترنے کا مسئلہ قرآن وحدیث سے کہیں بھی ثابت نہیں۔ نہ حقیقۃً اور نہ مثالاً۔ پس مرزا صاحب اِس پر اپنی مماثلت کی بنا نہیں رکھ سکتے۔ قرآن شریف سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السّلام کے دوبارہ آنیکی بابت کبھی کوئی پیشینگوئی نہیں کی گئی۔ یہ یہودیوں کا من گھڑت عذر تھا اور نیز یہ بھی کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام حضرت الیاس علیہ السّلام کے مثیل نہ تھے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت زکریا علیہ السّلام کو حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی پیدائش سے پہلے اُن کی تعریف اِن لفظوں سے سنائی تھی "(اے زکریا)

اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَحَصُوْرًا	اللہ تعالےٰ تجھ کو ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے۔ جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ وہ کلمۃ اللہ

کی یعنے عیسےٰ علیہ السّلام کی (جو اُن سے بعد پیدا ہوئے) تصدیق کرنیوالا ہوگا۔ اور اپنی قوم کا سردار ہوگا۔ اور عورتوں سے علیحدہ رہنے والا اور بہت پاکباز ہوگا۔ اور صالحین انبیاء میں سے ہوگا۔ پس اگر خدا تعالےٰ کی طرف سے حضرت الیاس کے نزول کی پیشگوئی ہوئی ہوتی اور اس کا پورا ہونا حضرت یحییٰ کے آنے سے ہوتا۔ تو یہ امر حضرت زکریا علیہ السّلام کو ضرور معلوم ہوتا۔ کیونکہ اِسوقت آپ ہی بوجہ نبی ہونے کے کامل العلم تھے۔ اور دوسرے لوگ آپ کے علم کے محتاج تھے۔ لہذا ضروری تھا کہ اللہ تعالےٰ آپ کو حضرت یحییٰ کی بشارت یوں سناتا کہ یہ وہ مولود مسعود ہے۔ جو مدتوں سے منتظر و موعود ہے۔ تاکہ حضرت زکریا علیہ السّلام اپنے بیٹے سے اِس پیشگوئی کے پُورا ہونے سے زیادہ خوش ہوں۔ مگر چونکہ اللہ تعالےٰ نے باوجود سبب کے موجود ہونے کے اِس امر کا ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ نہ الیاس علیہ السّلام کا نزول خُدا کی طرف سے تبلایا گیا تھا۔ اور نہ حضرت یحییٰ ؑ کا ان کا مثیل ہونا درست ہے۔

اِسی طرح سورت مریم میں حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی صفت میں فرمایا لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا۔ یعنے ہم نے اس سے پیشتر اِس کا ہمنام بنایا ہی نہیں سَمِیّ کے معنے نظیر و شبیہ اور مثیل کے بھی ہیں۔ جیساکہ اِسی سورت میں آگے آتا ہے۔ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا یعنے کیا تو کوئی ایسا شخص جانتا ہے جو اللہ تعالےٰ کا نظیر ہو۔ پس جب اللہ تعالےٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السّلام سے پیشتر اُن کا ہمنام و مثیل بنایا ہی نہیں تو اب مرزا صاحب اُن کو حضرت الیاس کا مثیل کس طرح قرار دیتے ہیں اور کس طرح اِسپر اپنے دعوے مماثلت کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

سوم۔ اِس طرح کہ انجیل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰ ؑ نے نہ تو مثیل الیاس ہونے کا دعوے کیا اور نہ وہ تھے۔ بلکہ یہودیوں کے پوچھنے پر اس سے صاف انکار کیا۔ جیساکہ انجیل یوحنا باب اول میں آیت ۱۹ سے ۲۱ تک لکھا ہے۔ کہ (۱۹) اور یوحنا کی گواہی یہ تھی۔ جب کہ یہودیوں نے

یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا۔ کہ اس سے پوچھیں کہ تو کون ہے (۲۰) اور اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ مسیح نہیں ہوں۔ (۲۱) تب اُنہوں نے اُس سے پوچھا۔ تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے اُسنے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے۔ اُس نے جواب دیا نہیں"

اِس عبارت اور اُس سے بعد کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام جنکا انجیلی نام یوحنّا ہے کاہنوں کے سوال پر اپنے مثیل الیاس ہونے سے صاف انکار کرتے ہیں۔ پس مرزا صاحب کا دعوی مماثلت بالکل بے بنیاد ہے۔ اگر یہ عذر کیا جائے کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام نے یہودیوں کے اعتراض پر حضرت الیاس کی پیشینگوئی کے پورا ہونے کی بابت حضرت یحییٰ ؑ کا آنا پیش کیا تھا۔ تو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ یہ انجیل سے ثابت نہیں کہ حضرت عیسے علیہ السّلام نے اپنی زبان سے حضرت یحییٰ ؑ کو پیش کیا دوم اگر تسلیم بھی کرلیں تو حضرت یحییٰ کے اپنے اِنکار کے مقابلے میں "ہو بہو مُدعی سست گواہ چست" کا معاملہ نظر آتا ہے۔ جب خود حضرت یحییٰ علیہ السّلام مثیل الیاس ہونے سے اِنکار کرتے ہیں۔ تو کوئی دوسرا شخص کس طرح اُن کو مثیل الیاس قرار دے سکتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ کیا پھر حضرت مسیح نے غلط جواب دیا۔ تو اِس کا جواب یہ ہے۔ کہ اِسی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ یہ معاملہ بالکل منگھڑت ہے + چہارم اِس طرح کہ اگر بالفرض اِسے تسلیم بھی کرلیویں کہ حضرت الیاس کی نسبت پیشینگوئی کی گئی تھی اور وہ حضرت یحییٰ ؑ کے آنے سے پوری ہوئی تو پھر بھی یہ ایک نظیر ہی بنگی نہ کہ علت موجبہ کہ اسکے رُو سے یہ ضروری قرار دیا جائے کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی پیشینگوئی بھی اِسی رنگ میں پوری ہو۔ یہ نکتہ اہل علم پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ دوسرا واقعہ خواہ مخواہ پہلے معاملہ کی مانند ہو۔

اِس سارے بیان سے واضح ہوگیا کہ مرزا صاحب نے اپنے دعوی مماثلت کے متعلق جس امر کو بنا قرار دیا تھا۔ وہ بالکل غلط ہے۔ اور اُن کو کسی طرح مفید نہیں۔ پس اِس آیت زیر بحث سے عیسٰے علیہ السّلام کی وفات ثابت نہو سکی۔

اَب ہم اِس آیت فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِاِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کا صحیح مطلب بیان کر کے ناظرین کو قرآنی نکتوں سے مسرور کرتے ہیں۔ اِس آیت اور اس کے بعد کی آیتوں کے متعلق ہم صرف وہی کچھ نقل کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں جو کچھ شیخ علی مہائمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ "(اے پیغمبر) ہمنے تو تجھ سے پیشتر جو رسول بھیجا ہے۔ وہ (اِنسانوں میں سے) مرد ہی تھا۔ اور بشریت اور رسالت میں کس طرح منافات ہو سکتی ہے۔ کیونکہ رسالت کے لئے تو آسمان سے اُترنا شرط نہیں۔ بلکہ صرف اِسقدر کافی ہے کہ ہم اُن کی طرف فرشتہ بھیجنے سے اُن کو وحی کرتے رہے ہیں۔ پس اگر یہ معاملہ شیطان کے نزول سے ملتبس ہو جائے تو تم اہل الذکر کو جو بڑے پائے کے علماء ہیں پوچھ دیکھو اگر خود قصور نظر کے سبب اِس میں فرق نہیں جان سکتے۔ اور اَنبیاء پر فرشتے نازل ہونے میں یہ بھی شرط نہیں کہ وہ بشریت سے بالکل باہر ہو جائیں کیونکہ اِس کی ایک صورت تو یہ ہے۔ کہ وہ جماد یعنے بیجان ہوں۔ اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ ہمنے اِن پیغمبروں کو پتھروں کی طرح بیجان جسم نہیں بنایا۔ کہ کھائیں نہیں۔ کیونکہ جمادات کو ملائکہ سے کوئی نسبت نہیں۔ پس صرف طعام کے ترک کر دینے سے اُن کی مناسبت کامل نہیں ہو سکتی۔ اور یا یہ صورت ہے کہ وہ پیغمبر حیات کے کمال کے رو سے اَیسے ہوں کہ مریں نہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہیں۔ (پس کُفّار کا اعتراض دُرست نہیں) پیغمبروں کے لئے تو یہی شرط ہے کہ دلائل کے رو سے اُن کی سچائی ثابت کی جائے سو ہمنے اَیسا کر دیا۔ پھر ہمنے اِنکے متعلق اَپنے وعدوں کے سچا کرنے سے بھی اُن کو سچا ثابت کر دیا۔ کہ اُنکے دُشمنوں کو ہلاک کیا اور اسپر یہ دلیل ہے۔ کہ اُن کو ہمنے بچا لیا۔ باوجود اِسکے کہ وہ بھی اُن ہلاک شدوں کے بیچ میں بستے تھے۔ اور اُن کے ساتھ کے مومنوں کو بھی بچا لیا (جن کے بچانے کے متعلق ہماری مشیّت ہوا کرتی ہے)"۔

آیت فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ کے متعلق صحیح تفسیر یہی ہے۔ جو لکھی گئی۔ مرزا صاحب اِس کا نہ صحیح مطلب سمجھتے ہیں اور نہ اُنکا استدلال صحیح ہے بلکہ

اِس آیت میں مرزا صاحب کی صریح تکذیب پائی جاتی ہے کیونکہ اِس میں اَللہ تعالےٰ اِن وعدوں کا سچا ہونا ضروری فرماتا ہے جو پیغمبروں کے ساتھ اُن کے دشمنوں کی ہلاکت کے متعلق کئے جاتے ہیں۔ اور یہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ مرزا صاحب جب کسی کو کوئی ڈر سناتے ہیں تو وہ اُس سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اگر تجربہ سے طاعون کے دنوں میں کچھ ہل چل مچا کر لوگوں کو اَپنی طرف کرنا چاہتے ہیں۔ تو اُنکے اپنے مخلص مُرید بھی اِسکا شکار ہو جاتے ہیں جس سے آپ کا جھوٹا ہونا عام لوگوں میں مشہور اور واضح ہو چکا ہے۔ اور اسی طرح کبھی آپ زلزلہ کو دیکھ کر کچھ اَپنے تجربہ سے اور کچھ تجربہ کار لوگوں سے سُن سنا کر دو بارہ اور سہ بارہ اعلان کر دیتے ہیں اور مریدوں کو گھروں سے باہر نکلنے کا حکم بھی کر دیتے ہیں۔ اور خود بھی باہر نکل جاتے ہیں۔ تاکہ آپ کے اَیسے فعل اور تاکیدی حکم سے دوسرے لوگوں پر کچھ اثر پڑے مگر نہ زلزلہ آتا ہے اور نہ اَور کچھ ہوتا ہے۔ اور مُفت میں آپ فضیحت اُٹھاتے ہیں۔ بلکہ اِس سے لوگ اَور آپ کی تکذیب پر مضبوط ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کا ایمان سلامت رہتا ہے۔

قسم سوم میں سے **سترھویں** آیت اور مرزا صاحب کی ترتیب کے رو سے انتیسویں آیت یہ ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورۃ حشر پ ۲۸) "یعنے رسول جو کچھ تمہیں علم اور معرفت عطا کرے وہ لے لو۔ اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو"۔

اِس آیت کے رو سے مرزا صاحب نے بعض احادیث نبویہ ؐ سے استدلال کیا ہے۔ اور اَپنی اُلٹی منطق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت عیسےٰ ؑ مر گئے ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمار اُمتی ما بین الستین الی السبعین واقلھم من یجوز ذلک رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوۃ) یعنے اکثر عمریں میری اُمت کی ساٹھ سے ستّر برس تک ہونگی۔ اور ایسے لوگ بہت کمتر ہونگے جو ان سے بھی تجاوز کریں۔ اِسکے بعد فرماتے ہیں۔ کہ یہ ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح اِبن مریم اِس اُمت کے شمار میں ہی آگئے ہیں۔ پھر اِتنا فرق کیونکر ممکن ہے کہ اَور لوگ تو ستّر برس

تک مشکل سے پہونچیں اور اُن کا یہ حال ہو کہ دو ہزار کے قریب اُن کی زندگی کے برس گزر گئے۔ اور اُنتک مرنے میں نہیں آئے۔ بلکہ بیان کیا جاتا ہے کہ دُنیا میں آکر پھر چالیس یا پینتالیس برس زندہ رہیں گے"۔

دوسری حدیث مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے عن جابر قال سمعت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بشھر تسئلونی عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ واقسم باللہ ما علی الارض من نفس منفوسۃ یأتی علیھا مأتۃ سنۃ وھی حیۃ رواہ مسلم۔ اور روایت ہے جابر سے کہ کہا سنا میں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جو وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ کوئی ایسا نہ مین پر مخلوق نہیں۔ جو اُسپر سو برس گزرے اور وہ زندہ رہے" چونکہ مرزا صاحب جانتے ہیں۔ کہ یہ حدیث بوجہ علی الارض کی قید کے ہمارے مفید مطلب نہیں بیٹھ سکتی۔ اِس لئے اسکے معنے بدلنے اور خلاف مراد تاویل کرنے میں بہت زور لگایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں"۔ اِس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ جو شخص زمین کی مخلوقات میں سے ہو وہ شخص سو برس کے بعد زندہ نہیں رہیگا۔ اور ارض کی قید سے مطلب یہ ہے کہ تا آسمان کی مخلوقات اِس سے باہر نکالی جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم آسمان کی مخلوقات میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ زمین کی مخلوقات اور ما علی الارض میں داخل ہیں"

اِس آیت زیر بحث اور دونوں حدیثوں کے جواب میں اول تو یہ عرض ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی رفع آسمانی اور آپ کا نزول آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے قطعی اور خاص دلائل سے ثابت ہے اور اِس آیت اور اِن احادیث میں اُن کی موت کا کوئی ذکر نہیں۔ مرزا صاحب کا اپنا نیا اجتہاد اور رائے و قیاس ہے۔ جو نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں پیش نہیں ہو سکتا۔

دیگر یہ کہ اِس آیت کے ترجمے میں مرزا صاحب نے علم و معرفت کی تخصیص کہاں سے نکالی۔ کیونکہ اگر آیت کے ماقبل پر نظر کریں۔ تو ذکر فَئے اور غنیمت کا چلا آرہا ہے۔ پس اِس آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ غنیمت اور فَئے میں جو کچھ تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دیویں اُسے لے لو"۔

اور اگر کلمہ ما کے ابہام اور عموم پر نظر کریں۔ تو ہر معاملہ میں خواہ علم کے متعلق ہو خواہ عمل کے خواہ کسی امر کے فیصلے کے ہو۔ اس آیت کا حکم لیا جائیگا۔ پس اس آیت کے رو سے تو عیسے علیہ السّلام کا آسمان پر ہونا اور اُس سے نازل ہونا ثابت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ احادیث میں آپ کے آسمان سے نازل ہونے کی تصریح موجود ہے۔ لہذا یہ آیت ہمارے مفید مطلب ہوئی نہ کہ مرزا صاحب کے۔

سوم یہ کہ ساٹھ ستر سال عمر کی حدیث سے حضرت عیسے علیہ السّلام کی وفات ثابت کرنی عجب طرح کی بے اُستادی ہے۔ کیونکہ اول تو حدیث میں صاف کہا گیا ہے۔ کہ بعض کی اس سے زیادہ بھی ہوگی۔ اور اس زیادتی کی انتہائی حد نہیں بتائی۔ کہ عیسے علیہ السّلام کی عمر کو اس سے متجاوز سمجھ کر آپ کو فوت شدہ تصور کرلیں۔ اور عمر طبعی کی تردید پیچھے مفصل گزر چکی ہے دیگر یہ کہ اُمتی کا لفظ صاف تبلا رہا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ اپنی اُمت کے لوگوں کی بابت فرما رہے ہیں۔ عیسی علیہ السّلام آپ کی اُمت کے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ مستقل نبی ہیں۔ اور نزول کے وقت نبی ہی ہونگے مطلق خلافت دیگر امر ہے۔ اور اُمت میں سے ہونا دیگر امر ہے۔ حضرت عیسے کا اس اُمت میں سے نہ ہونا حدیث صحیح مسلم سے بصراحت ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری اُمت میں سے ایک گروہ حق پر رہیگا۔ اور اپنے مخالفوں کے مقابلے میں غالب رہیگا۔ پس عیسے علیہ السّلام نازل ہونگے تو جو شخص اُسوقت مسلمانوں کا امیر ہوگا (یعنے امام مہدی علیہ السّلام) وہ کہیگا کہ آیئے حضرت ہمیں نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسے علیہ السّلام جماعت کرانے سے انکار کرینگے اور کہینگے کہ تمہارا امام تم ہی سے ہے۔ یہ فضیلت اللہ تعالے نے اسی اُمّت کو بخشی ہے۔" آپ کا جماعت نہ کرانے کے عذر میں یہ کہنا کہ یہ فضیلت اللہ تعالے نے اسی اُمت کو بخشی ہے"۔ صاف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ آپ اس اُمت کے لوگوں میں سے نہیں ہونگے۔ ورنہ یہ عذر ٹھیک نہیں۔ اس حدیث سے مرزا صاحب کی مماثلت کا رنگ بھی اُڑ گیا۔ کیونکہ

مسیح موعود اِس اُمت کے لوگوں میں سے نہیں اور مرزا صاحب اِس اُمت کے لوگوں میں سے ہیں۔ پس اِس حدیث کے رُو سے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کی عُمر کو کم سمجھنا سخت غلطی ہے۔ دیگر یہ کہ عیسٰی علیہ السّلام کی آسمانی زندگی زمینی زندگی میں معدود نہیں۔ جیساکہ وَکَھْلاً میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے اِس اُمت میں سے نہ ہونے کے بارے میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ مرزا صاحب بھی اِس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بات اُن کی اپنی عبارت سے ظاہر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اِس اُمت کے شمار میں ہی آگئے ہیں"۔ "شمار میں ہی آگئے ہیں" پنجابی اُردو ہے۔ صحیح اِس طرح ہے۔ شمار ہی میں آگئے ہیں۔ خیر کچھ ہو۔ شمار ہی میں آجانا اور فی الحقیقت ہونے میں فرق ظاہر ہے۔ پس ہمارا مطلب ثابت ہے۔

دیگر یہ کہ اگر بالفرض مرزا صاحب کی اِس بارے میں ساری باتیں مان بھی لیں تو بھی مرزا صاحب کی مراد پُوری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اِس حدیث کے رو سے وفات مسیح کی بِنا مرزا صاحب کے قیاس و رائے پر ہے۔ اور آپ کے نزول عینی کی بِنا صحیح حدیث کی تصریح سے ہے۔ پس عیسٰے علیہ السّلام اِس حدیث کے حکم سے مُستثنٰے رہیں گے +

دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں کلمہ علی الارض شہادت دے رہا ہے کہ یہ حکم اُن زندہ چیزوں کے بارے میں ہے۔ جو زمین پر موجود ہوں۔ اور عیسٰے علیہ السّلام آسمان پر ہیں۔ اِسلئے اِس حدیث کے حکم میں نہیں آسکتے۔ اور مرزا صاحب کا علی الارض کے معنے زمینی مخلوق کرنے زبان عربی کے محاورات کے خلاف ہے۔ مرزا صاحب نے لکھتے وقت صحیح مسلم کی شرح پر تو نظر کرلی ہوتی تاکہ آپ کو علی الارض کے استعمال کا موقع معلوم ہوجاتا۔ مرزا صاحب خوب پہچانتے ہیں کہ اِس حدیث سے مراد کسی طرح پوری نہیں ہوسکتی۔ اِس لئے اِدھر اُدھر کھینچ تان کر کے حدیث کے مطلب کو بگاڑنا چاہا ہے۔ مگر اہل علم پر آپ کا یہ دھوکا اور مغالطہ مخفی نہیں رہتا +

قسم سوم میں سے اٹھارھویں اور مرزا صاحب کی ترتیب کے رو سے تیسویں اور آخری آیت یہ ہے۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا یعنے کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دِکھلا تب ہم ایمان لاویں گے۔ اِن کو کہدے کہ میرا خُدا اِس سے پاک تر ہے کہ اِس دار الابتلا میں کھُلے کھُلے نشان دکھلا دے۔ اور مَیں بجز اِسکے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی"۔

مرزا صاحب نے اِس آیت کے ترجمہ میں اپنی طرف سے زیادتی کی ہے اور قرآن کے الفاظ کی پابندی نہیں کی۔ اِسکے بعد فرماتے ہیں کہ "اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا۔ اور اُنہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت اللہ نہیں کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لیجاوے۔ اَب اگر جسم خاکی کے ساتھ ابن مریم کا آسمان پر جانا صحیح مان لیا جائے۔ تو یہ جواب مذکورہ بالا سخت اعتراض کے لائق ٹھیریگا۔ اور کلام الٰہی میں تناقض اور اختلاف لازم آئیگا۔ لہذا قطعی اور یقینی امر یہی ہے کہ حضرت مسیح بجسدہ العنصری آسمان پر نہیں گئے۔ بلکہ موت کے بعد آسمان پر گئے ہیں"۔

اِس کے بعد مرزا صاحب نے حضرت یحییٰ اور حضرت آدم اور حضرت ادریس اور حضرت اِبراہیم اور حضرت یوسف علیہم السّلام کا ذکر کرکے کہا ہے۔ کہ جس طرح معراج کی رات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ نبی ملے اِسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بھی ملے۔ پس جس طرح موت کے بعد یہ سب اُٹھائے گئے ہیں۔ اِسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السّلام بھی موت کے بعد اُٹھائے گئے ہیں"۔

آنحضرت صلعم کے معراج کی رات میں دیگر انبیاء سے ملاقات کرنا اور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام سے بھی ملاقات کرنیکا بیان بالتفصیل پہلے گزر چکا ہے اب اِس آخری آیت زیر بحث کا جواب سنئے۔ کہ مرزا صاحب نے اِس آیت کے ماقبل پر نظر نہیں کی۔ اور نہ اِس کی صحیح تفسیر سمجھی ہے۔ صرف اپنی پُرانی عادت یعنے خواہش نفسانی سے جس طرح چاہا قرآن شریف کے مطلب کو

بگاڑ کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہا ہے۔

تفصیل و بیان اِس اجمال کی یہ ہے کہ سوالات کفار جنکے جواب میں کلمہ جامعہ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا تعلیم کیا گیا ہے یہ ہیں "کفار کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمے جاری کر دے

وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعًا او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتى بالله والملآئكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى فى السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه قل سبحان ربى هل كنت اِلَّا بشرا رسولا (بنی اسرائیل ع)

یا تیرے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو۔ اور اُس کے نیچے نہریں جاری ہوں یا تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑہ برسا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے۔ یا اللہ تعالےٰ اور فرشتوں کو ضامن لے آوے یا تیرے لئے کوئی گھر سونے کا بنایا ہوا ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو نہیں مانینگے جب تک کہ وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ نازل کرے جسے ہم خود پڑھ لیں۔ اَے پیغمبر (صلعم) اِن کو اِن سوالات کے جواب میں یہی کہدو کہ میرا رب پاک ہے (کہ کوئی اسپر زور و تحکم کرے) مَیں تو صرف ایک (فرمانبردار) بندہ اور رسول ہوں"۔

اِن آیات میں کفار کی اِن اقتراحات کا ذکر ہے۔ اول آنحضرت صلعم کا اعجازی قوت سے زمین میں **چشمے** جاری کرنا۔ دوم آنحضور سرور عالم صلعم کے لئے خرما و انگور کا **باغ** موجود ہونا اور اُس میں **نہروں** کا بہتے ہونا۔ سوم آسمان کا ٹکڑہ عذاب کے لئے گر پڑنا۔ چہارم اللہ سبحانہ و تعالےٰ اور ملائکہ کی ضمانت تصدیق یا اُن کو سامنے لانا۔ پنجم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سونے کا محل ہونا۔ ششم آنحضرت سید الرسل و افضل البشر کا **آسمان** پر چڑھ جانا۔ اور وہاں سے **کتاب** کا اُتارنا جسے کفار خود پڑھ لیں۔

یہ بالکل بدیہی اور مصرح امر ہے کہ اِن سب سوالات کے جواب میں ایک ہی کلمہ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا تعلیم کیا گیا ہے۔ اگر یہ جواب امر ششم یعنے آسمان پر چڑھ جانے کے محال ہونے پر دلالت کرتا ہے تو باقی سب امور

بھی مستبعد و ناممکن ماننے پڑینگے۔ کیونکہ جملہ سوالات کا ایک ہی جواب سکھایا گیا ہے پس واضح ہو کہ اِن کُل امور کا ممکن اور غیر ممتنع ہونا قرآن مجید سے ثابت ہی اور ایسے خوارق کا ذوات بابرکات انبیاء علیہم السّلام سے باذن الٰہی واقع ہونا محال استبعاد نہیں۔ کیونکہ معجزہ یعنے خرق عادت ممکن ہے۔ پہلے ہم اِن سب امور کو قرآن کریم سے ممکن ثابت کرتے ہیں اور پھر قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کی صحیح تفسیر بیان کرینگے۔ اور اِسکے بعد یہ ذکر کرینگے کہ باوجود اِن امور کے ممکن ہونے کے پھر کفار کی طلب پوری کیوں نہ کی گئی ؛

امر اوّل یعنے پیغمبر برحق کے معجزے سے زمین میں سے چشموں کا پھوٹ پڑنا آیت فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (بقر) سے ثابت ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السّلام کے معجزہ سے پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اور اِسی طرح رسول اللہ صلعم کی انگلیوں سے فوارے جاری ہو پڑنے۔ اور نیز حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی ایڑیوں کی ضربوں سے آب زمزم کا پیدا ہونا امر مطلوب کے ممکن ہونے کی بڑی بھاری دلیل ہے۔ اور ان ہر دو واقعات کا ذکر صحیح بخاری میں موجود ہی

امر دوم اور پنجم یعنے پیغمبر برحق کے لئے باغات و انہار و محلات کا میسر ہونیکی دلیل بھی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان میں کفار کے اِس سوال کو ذکر کرکے جواب فرمایا ہے "وہ اللہ بہت برکت والا ہے اگر چاہے تو تیرے لئے ایک چھوڑ کئی باغات اِن باغوں سے اچھے مہیا کر دے کہ اُن کے تلے نہریں بھی چلتی ہوں۔ اور تجھے ایک چھوڑ کئی محل بھی میسّر کر دے"۔

تَبَارَكَ الَّذِیْ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا۔ (فرقان ع ۲)

نیز حضرت سلیمان علیہ السّلام کی بادشاہی اور اُن کے لئے جڑاؤ شیش محل کا میسّر ہونا سورۂ نمل میں مذکور ہے۔ اور اسی طرح شیاطین کا آپ کے مسخر ہونا اور آپ کے لئے سمندروں میں سے بیش بہا موتی نکالنا اور طرح طرح کے مکلّف اسباب خانگی تیار کرنا سورۂ انبیآء۔ سبا۔ اور ص میں مذکور ہے۔

سُبْحَانَ اللہ! انبیاء علیہم السّلام تو بہترین خلائق ہوتے ہیں۔ اُن کے لئے خزانۂ الٰہی میں کس چیز کی کمی ہے۔ یہ فرمینده اسباب تو دیگر افراد بنی نوع بلکہ کفار کے

لئے بھی اِس دُنیا میں میسر ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بعض کو حاصل ہیں چنانچہ سورۂ زخرف میں فرمایا"۔ اور اگر

ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفا من فضۃ و معارج علیھا یظھرون ولبیوتھم ابوابا وسررا علیھا یتکئون وزخرفا (زخرف ع)	یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ کفر ہی پر کمر باندھ لینگے تو ہم منکرین کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ سب کچھ چاندی کے کر دیتے اور اسی طرح دیگر اسباب

بھی سب کچھ سونیکا عطا کر دیتے"۔ اِس آیت میں کفار کے لئے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیں اور دروازے اور تخت اور تکیہ گاہ اور دیگر اسباب طلائی میسر ہو سکنے کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان اسباب کا حاصل کر لینا (بتوفیقہ تعالے) طاقت بشری سے خارج نہیں ہے پس جب عامہ خلائق کے لئے ممکن ہوا۔ تو انبیاء جو خواص دربار ایزدی ہوتے ہیں اُن کے حق میں کس طرح محال ہونگے۔ خواص کا ایسے اسباب فانیہ کو محبوب نہ جاننا امر دیگر ہے اور اُن کے حق میں معاذ اللہ محال و مستبعد ہونا امر دیگر ہے۔

امر سوم یعنی آسمان سے کوئی ٹکڑا عذاب کے طور نازل ہونا خود کفار کے مقولہ کما زعمت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی انکو اس عذاب سے ڈرایا تھا۔ جسپر کفار نے مطالبہ کیوقت اسکا حوالہ دیا ہے۔ اور وہ ڈر جو اُن کو سنایا گیا تھا۔ سورۂ سبا میں مذکور ہے" اگر ہم چاہیں تو اُن کو زمین میں دھسا دیں یا آسمان

ان نشأ نخسف بھم الارض او نسقط علیھم کسفا من السماء (السبا ع)	سے کوئی ٹکڑہ بطور عذاب نازل کر دیں"۔ اسی طرح سب آسمانوں اور زمین کا

سقوط و زوال ممکن ہونا کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے۔" آسمان اور زمین کو صرف

اِنَّ اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ (فاطر)	اللہ تعالیٰ ہی نے تھاما ہوا ہے۔ اور اگر وہ نہ تھامے اور وہ گرنے کو ہوں تو پھر اُن کو کوئی بھی نہ تھام سکے"۔ بلکہ قیامت

کو یہ سب آسمان و زمین فنا کر دیئے جاینگے۔ اور یہ امر قرآن شریف میں کئی جگہ مذکور ہے۔ چنانچہ تبدیل زمین و آسمان کی نسبت سورۂ ابراہیم کے اخیر میں فرمایا

یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ (رع)	"جسدن زمین اور آسمان نئے تبدیل کئے

جاینگے"۔ پس آسمان سے کوئی ٹکڑہ بطور عذاب نازل ہونا بھی ناممکن و محال نہو

امر چہارم یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور ملائکہ کو ضامن کر کے صداقت نبوت کو ثابت کرنا اسمیں کونسا استبعاد ہے۔ قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ فرمایا "اللہ تعالیٰ

لکن اللہ یشھد بما انزل الیک انزلہ بعلمہ والملائکۃ یشھدون وکفی باللہ شھیدا۔

تو اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اُسنے اس قرآن شریف کو تجھ پر اپنے علم سے سچ سچ نازل کیا ہے اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور شہادت کے لئے تو اللہ ہی کافی ہے"۔ اور اگر قبیلاً بمعنے قُبُلاً سمجھیں تو بھی مستبعد نہیں کیونکہ اتیان باری بکیفیۃ تلیق بشانہ العظیم ممتنع بالغیر ہے اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے۔ جیساکہ اس کتاب کے حصہ اول میں ثابت ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ (بقر) اور وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (فجر) وغیرہما۔ اور احادیث نزول باری سبحانہ ❖

امر ششم۔ یعنی آسمان پر بارادہ الٰہیہ چڑھ سکنا عامہ بشر بلکہ کفار کے حق میں بھی ممکن ہے چنانچہ سورہ حجر کے شروع میں فرمایا "اور اگر ہم کفار پر آسمان کا دروازہ

ولو فتحنا علیھم بابا من السماء فظلوا فیہ یعرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون (حجر ع)

بھی کھولدیں اور وہ اس میں دن ہوتے چڑھ بھی جائیں تو پھر بھی کہینگے کہ ہم کو کسی نے جادو کر دیا ہے"۔ پس عباد صالحین وحضرات مرسلین جو بہت اعز واکرم ہیں۔ اُن کے لئے کس طرح محال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح **کتاب** کا لکھی ہوئی صورت میں آسمان سے اُتر سکنا سورت انعام کی آیت سے

ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین (انعام ع)

ثابت ہے۔ جیساکہ فرمایا "اور اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کریں اور یہ کفار اسکو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیں تو بھی کہینگے کہ یہ تو صریح جادو ہے"۔ بلکہ توریت کا نزول شہادت وقوعی قائم کر رہا ہے۔

الغرض یہ سب آیات طیبہ صاف بتلا رہی ہیں کہ امور مسئولہ کفار ممکن وغیر ممتنع ہیں تو پھر آیت سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا سے عذر استحالہ کس طرح بجا ہے۔ اس صورت میں تو قرآن حکیم میں تعارض ہوگا۔ وَھٰذا باطل۔ اگر اسی آیت کو بغور دیکھیں تو اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار معترضین کو اس امر کا علم تھا۔ کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

معراج جسمانی کے مدعی ہیں۔ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ کے بعد وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ اسی لئے کہا کہ آپ پچھلے معراج کا حوالہ دیدیں۔ مزید بریں کفار کا سوال کرنا ہی اس امر پر دال ہے کہ وہ ان امور خارقہ عادات کا ظہور ذوات بابرکات انبیاء علیہم السّلام سے ممکن جانتے تھے۔ اسی لئے یہ امور پیش کئے۔ کہ اگر آپ ان ممکنات کو واقعات کر دکھائیں تو آپ پر ایمان لے آوینگے۔ اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرینگے۔

پھر اگر یہ **سوال** ہو کہ اگر سب امور مقترحہ ممکنات میں سے ہیں۔ تو سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کی صحیح تفسیر جس سے یہ جواب ہر امر کے ساتھ منطبق ہو جائے کس طرح ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس کی صحیح تفسیر جس کی دوسری آیات مؤید و مصدّق ہیں۔ یہ ہے۔ جو تفسیر ابن کثیر و سراج منیر سے نقل کی جاتی ہے" اس آیت سُبْحَانَ

وقولہ تعالی۔ سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا ای سبحانہ وتعالی وتقدس ان یتقدم احد بین یدیہ فی امر من امور سلطانہ وملکوتہ بل ھو الفعال لما یشاء ان شاء اجابکم الی ما سألتم وان شاء لم یجبکم وما انا الا رسول الیکم بلغتکم رسالات ربی والنصح لکم وقد فعلت ذلک وامرکم فیما سألتم الی اللہ عزوجل (ابن کثیر)

رَبِّیْ کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امر سے پاک ہے کہ کوئی شخص اسکی بادشاہی میں پیشدستی یا اسکے سامنے بڑھ کر بات کرسکے بلکہ جس امر کو چاہتا ہے خود کرتا ہے۔ پس اگر وہ چاہیگا تو تمہارا سوال قبول کریگا۔ ورنہ نہیں۔ اور میں تو صرف اسکے حکم کا مطیع اور اسکا ایلچی ہوں میرا کام صرف تبلیغ رسالت ہے۔ جو میں کر چکا ہوں۔ اور جو کچھ تم نے سوال کئے ہیں انکا معاملہ خدا کے سپرد ہے"

اسی طرح تفسیر سراج منیر میں بھی بوضاحت اس امر کو محقق کیا ہے۔

ولما تم تعنتھم وکان لسان الحال طالبا من اللہ تعالی الجواب عنہ امر اللہ تعالی بجوابھم بقولہ قل ای لھؤلاء البعداء الاشقیاء سُبحان ربّی ای تعجبا من اقتراحاتھم وتنزیھا للہ من ان یاتی احد بحکم

"اور جبوقت کفار کی سرکشی اور کج بحثی حد کو پہنچ گئی تو آپ کی زبان حال اللہ تعالے سے اسبات کا جواب طلب کر رہی تھی۔ پس اللہ تعالے نے جواب سکھایا کہ ان بدبختوں سے کہو کہ اللہ تعالے اسبات سے

عليه او يشاركه احد فی القدرة وقرء ابن
كثير وابن عامر بصيغة الماضی والباقون
قل بصيغة الامر وهل كنت الا بشرا
رسولا كما كان من قبلی من الرسل
وكانوا لا ياتون قومهم الا بما يظهره
الله علی ايديهم بما يلائم حال قومهم
ولم يكن امر الايات اليهم ولا لهم
ان يتحكموا علی الله حتی يتخيروها
هذا هو الجواب المجمل واما التفصيل
فقد ذكر فی ايات اخر كقوله تعالے
ولو نزلنا عليك كتابا فی قرطاس
فلمسوه بايديهم ولو فتحنا عليهم بابا
ونحو ذلك ۔

پاک ہے کہ کوئی شخص اسپر حکم و زور کر سکے
یا قدرت میں اُسکا شریک ہو سکے۔ میں اپنے
اختیار سے یہ امر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں تو
ایک رسول ہوں۔ اور مجھ سے پہلے جتنے
رسول ہوئے ہیں اپنے اختیار سے کوئی
بھی معجزہ نہ دکھاتا تھا۔ بلکہ صرف وہی جو اللہ
تعالے اُن کے ہاتھ پہ ظاہر کرے اور اُن
کی قوم کے حال کے موافق ہوں اور معجزات
کا دکھانا رسولوں کے اختیار میں نہیں ہوتا
تھا۔ اور نہ اُن کو یہ قدرت ہوتی تھی۔ کہ
اللہ تعالے پر حکم اور زور کر کے اپنی مرضی
سے معجزے طلب کریں اس آیت میں
یہ جواب مجمل دیا گیا ہے۔ اور تفصیل کو ساتھ

دیگر مقامات میں مذکور ہے مثلاً آسمان سے کتاب اُتارنیکا جواب سورہ انعام میں فرمایا
گیا ہے۔ کہ اگر ہم تجھ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل کرتے اور یہ منکر لوگ اُس کو اپنے
ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیتے۔ تو بھی یہ منکر اُس کو جادو کہہ کر انکار کر دیتے
اور آسمان پر چڑھنے کا جواب سورہ حجر میں فرمایا۔ کہ اگر ہم اِن کفار کے لئے
آسمان کا دروازہ بھی کھولدیں اور یہ لوگ اُس میں چڑھ بھی جائیں تب بھی یہ
منکر کہینگے کہ ہم کو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اور اسی طرح اور سوالات کے تفصیلی
جواب دیگر آیات میں دیئے ہیں۔" تفسیر سراج منیر نے تو بیشک ظلمات و
وساوس و شبہات کو دور کر دیا اور قلب مومن کو منور کر دیا۔ اور یہ بھی ظاہر کر
دیا۔ کہ یہ امر ممتنعات میں سے نہیں۔ بلکہ اعراض صرف اُنکے تعنت کی وجہ سے
ہے۔ اور نیز یہ کہ یہ جواب مجمل سب امور مسئولہ عنہا کا جواب ہے اور ہر امر کا
بالتفصیل جواب دیگر آیات میں مذکور ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر دو امر صعود
الی السماء اور تنزیل کتاب کے امکان میں وہی آیتیں ذکر کیں۔ جو ہم پہلے لکھ

لکھ چکے ہیں اور باقی امور کے جواب کی تفصیل کی طرف ونحو ذٰلک سے اشارہ کر دیا کہ طالب تفصیل خود قرآن شریف میں تدبّر و تفحص کر کے ڈھونڈ لے۔ فالحمد للہ علی نعمآئہ الشاملۃ والآئہ الکاملۃ

تفسیر کبیر میں بھی اِس جواب کی اسی طرح تقریر کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

تقریر الجواب ان یقال اما ان یکون مرادکم من ھذا الاقتراح انکم طلبتم الاتیان من عند نفسی بھذہ الاشیاء او طلبتم من ان اطلب من اللہ تعالیٰ اظھارھا علی یدی لتدل علی کونی رسولا حقا من عند اللہ والاول باطل لانی بشر والبشر لا قدرۃ لہ علی ھٰذہ الاشیاء والثانی ایضا باطل لانی قد اتیتکم بمعجزۃ واحدۃ وھی القرآن والدلالۃ علی کونہا معجزۃ فطلب ھذہ المعجزات طلب لما لا حاجۃ الیہ ولا ضرورۃ فکان مجری التعنت والتحکم وانا عبد مامور لیس لی ان اتحکم علی اللہ فنقط ھذا السوال فثبت ان قولہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا جواب کاف فی ھٰذا الباب (تفسیر کبیر)

"اِس جواب کی تقریر اس طرح ہے کہ کفار کے سوال کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ان امور کو اپنے اختیار سے کر دکھاؤں دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ سے طلب کروں کہ وہ میری صداقت کے لئے ان امور کو ظاہر کرے۔ پس یہ دونوں صورتیں باطل ہیں پہلے تو اِسلئے کہ میں بشر ہوں اور اپنے اختیار سے ان اشیاء پر قادر نہیں ہوں۔ اور دوسری اِس وجہ سے۔ کہ معجزہ تو میں تمہارے پاس لا چکا ہوں۔ کیونکہ یہ قرآن شریف میری نبوت کی تصدیق کے لئے کافی معجزہ ہے۔ پس تمہارے معجزہ کی طلب محض تعنت اور تحکم ہے اور میں تو اللہ تعالیٰ کا مطیع بندہ ہوں۔ میں اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ تحکم اور زور سے کوئی امر اس سے طلب کروں۔ پس یہ سوال کفار مردود ہے اور ثابت ہو گیا کہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا اس بارے میں کافی جواب ہے"۔

جو تقریر مفسرین علیہم الرحمۃ سے اِس جواب کے بارے میں نقل کی گئی ہے وہ بالکل حق اور مراد الٰہی کے عین مطابق ہے۔ اور دیگر آیات اس کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ پس یہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ اصل اِس سارے مضمون کا آیت سورۂ مومن وما کان لرسول ان یأتی بآیۃ الا باذن اللہ ہے۔ یعنے کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کوئی نشان و معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ کیونکہ معجزہ مقدور بشر سے خارج شئی کا نام ہے اور رسول بھی

بوجہ بشر ہونیکے بذات خود بالاستقلال خرق عادت پر قادر نہیں ہوتے اِلّا باذنِ اللہ
ایسے امور جن سے دیگر افراد عاجز ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول برحق کے دستِ
مبارک پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ اُس کی صداقت کے دلائل ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت
روح اللہ علیہم السّلام اپنی رسالت کی صداقت کے بارے میں انی اخلق لکم من الطین
الایہ اور موسٰی علیہ السّلام اپنی رسالت کی تصدیق میں فرعون کے سامنے اَوَلَوْ جِئْتُكَ
بشئ مبین فرماتے ہیں اور فرعون اسپر طلب کرتا ہے۔ اور کہتا ہے فأت به ان کنت
من الصّٰدقین۔ اِن آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسولوں کے وسیلے
کچھ عجائب جو مقدور بشر سے خارج ہوں ظاہر کیا کرتا ہے۔ اور اُن کے صدق پر
دلیل ہوا کرتے ہیں اور ایسے عجائب کوئی رسول بغیر اذن الٰہی کے دکھا نہیں سکتا
اَب قرآن شریف کے چند مقامات ذکر کئے جاتے ہیں جن میں اسی طرح کفار نے
اقتراحی آیات کا مطالبہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو یہی جواب تعلیم
کیا ہے کہ ان سے کہدو کہ میرا کام اتباع وحی اور تبلیغ رسالت ہے معجزات اللہ تعالےٰ
کے اختیار میں ہیں۔ چاہے تو دکھاوے ورنہ نہ دکھاوے۔ اِس میں اسپر میرا کوئی
تحکم و تغلب تو نہیں۔ کہ بزور معجزہ طلب کروں۔ چنانچہ فرمایا "اور اے پیغمبرؐ جسوقت
تم اُن کو اُن کی طلب کے موافق کوئی معجزہ
نہیں دکھاتے تو یہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں از خود
بنالیتا اُنکو جواب دو کہ میں تو صرف وحی الٰہی کا
تابع ہوں یہ قرآن شریف تمہارے رب کی

واذا لم تأتهم بآية قالوا لولا اجتبيتها قل انما
اتبع ما يوحىٰ الى من ربى هذا بصائر من ربكم
وهدى ورحمة لقوم يؤمنون واذا قرئ
القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (اعراف)

طرف سے کافی معجزہ ہے۔ اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت کا سبب ہے اور جب میں اسکو
پڑھا کروں تو تم اس کو چپ چاپ غور سے سنا کرو کہ تم بھی مومن ہوکر رحمت میں داخل
ہوجاؤ" دیکھو اِس آیت میں کیسے صاف طور پر فرما دیا۔ کہ ان سے کہدو کہ میں
امر الٰہی کے تابع ہوں۔ اپنی حول و قوت سے کچھ نہیں دکھا سکتا۔ اور منصب تبلیغ
رسالت سے ہرگز سرمو تجاوز نہیں کرسکتا۔ اور اگر تمہاری غرض طلب آیات سے
طلب حق ہے۔ اور ہدایت حاصل کرنا ہے تو تصدیق رسالت کے لئے قرآن شریف
کافی دلیل ہے۔ اسے غور سے چپ چاپ سنتے رہو۔ اُمید ہے کہ تم کو ہدایت نصیب ہوجائیگی

وقالوا لولا انزل علیہ اٰیٰت من ربہ قل انما الاٰیٰت عند اللہ وانما انا نذیر مبین اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتٰب یتلٰی علیھم ان فی ذٰلک لرحمۃ وذکرٰی لقوم یومنون (عنکبوت)

اِسی طرح دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں فرمایا۔" اور یہ کفار کہتے ہیں کہ اسپر کوئی معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا۔ اَے پیغمبرؐ تم اِن سے کہدو۔ کہ معجزات تو اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں ہیں۔ مَیں تو صرف ایک ڈرسنانیوالا ہوں۔ اَے پیغمبرؐ کیا ہمنے اُن پر ایسی کتاب نازل نہیں کی۔ جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ اور اُن کو تصدیق رسالت کے لئے اعجازی رہبری کرتی ہے۔ پس وہ رسالت کا کافی ثبوت ہے۔ اور مومنین کیلئے موجب رحمت اور نصیحت ہے۔" ناظرین غور کریں کہ سورۂ اعراف کی آیات اور یہ آیات کیسے بالاتفاق ایک ہی مضمون کو ادا کرتی ہیں۔ اور یہ جواب کچھ ہمارے رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انبیاء سابقین سے بھی یہی منقول ہے اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ کہ ہم اپنی مرضی سے بغیر اذن الٰہی نشان نہیں دکھا سکتے۔ چنانچہ سورۂ ابراہیم میں فرمایا۔ وما کان لنا ان ناتیکم بسلطان الا باذن اللہ۔ یعنے ہم بغیر اذن الٰہی کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔" اِن آیات سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ کفار کے اقتراح آیات کے جواب میں قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً کی تعلیم کرنا اِس وجہ سے نہ تھا کہ یہ اُمور ناممکن تھے بلکہ یہ تعلیم کیا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ اِس امر سے پاک ہے کہ اپنی سلطنت میں کسی کی مرضی پر انتظام کرے یا کوئی شخص اسپر تحکم کرے۔ اور حسب اقتراح اس سے آیات طلب کرے۔ اگر غرض ان کفار کی طلب حق ہے۔ تو تصدیق رسالت کے لئے کافی دلائل ظاہر ہو چکے ہیں اور دلیل کافی پر زیادتی طلب کرنا تعنت و تحکم ہوتاہے۔ پس اِن سے اعراض کرنا چاہیئے اور منصب رسالت کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ مطلب اِس آیت کا یہ تھا۔ جو بیان کیا گیا۔ خوش فہم لوگوں نے اَور کا اَور سمجھ لیا۔ اور کہاں کی کہاں بے تکی ہانک دی

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب یہ امور ممکن تھے۔ اور نبی برحق کے معجزہ سے بعید نہ تھے۔ تو پھر کیوں اُن کو پُورا نہ کر دکھایا۔ تو اسکا جواب وہی جو اجمالاً اوپر گزر چکا ہے اور وہ خود قرآن شریف نے تعلیم کیا ہے۔ کہ قرآن شریف تصدیق رسالت کے لئے کافی ثبوت ہی۔ اِسپر غور کرو تو تمہارا مطلب و مقصود پورا ہوجائیگا۔ یہ ضرور نہیں کہ

جو کچھ تم کہتے جاؤ۔ اور احتمالات بعیدہ سے رد کرتے جاؤ۔ میں ہر روز اُسے پورا کرنے کے لئے تیار رہوں۔ دیکھنا تو یہ ہے۔ کہ رسول مدعی رسالت جو کچھ پیش کرتا ہے اُسے دعوے رسالت سے مناسبت و تعلق ہو یا نہیں۔ اور وہ اثبات نبوت کے لئے کافی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر اسپر زیادتی کی طلب کیوں کی جاتی ہے۔ معجزے سے غرض تو یہ ہے کہ تصدیق رسالت کی طرف ہدایت کر سکے۔ پس قرآن شریف اپنے اعجاز سے تم کو ساکت و ملزم کر رہا ہے۔ اور تصدیق رسالت کے لئے بصدائے بلند پکار رہا ہے **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** *

آیات مذکورہ سے ناظرین کے خاطر نشین ہو گیا ہوگا کہ کفار مکہ کے متعنتانہ سوال کے جواب میں اللہ تعالی نے تصدیق رسالت محمدی ؐ کیلئے قرآن شریف کو پیش کیا ہے آپ کے مزید اطمینان کے لئے اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ سورہ بنی اسرائیل میں جن سوالات کے جواب میں سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولا تعلیم کیا گیا ہے۔ اُن آیتوں کے پہلے بھی قرآن مجید کے معجز اور بے مثیل ہونیکو بڑے ہی پُرزور دعوی اور تحدّی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ "اے پیغمبر ان کو سُنا دو

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لا یأتون بمثلہ و لو کان بعضھم لبعض ظھیرا ولقد صرفنا فی ھذا القرآن للناس من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا وقالوا لن نؤمن لک ...... قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولا۔ (بنی اسرائیل)	کہ اگر تمام انسان اور جن مجتمع ہوکر اور ایک دوسرے کی امداد پر کمر باندھ کر کوشش کریں کہ اِس قرآن عظیم کی نظیر بھی لاسکیں۔ تو ہرگز نہیں لاسکینگے۔ بیشک ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کا بیانِ نصیحت واضح طور پر پھیر پھیر کر بیان کیا ہو مگر اکثر لوگ انکار ہی

اختیار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے ...... اے پیغمبر ؐ انکو کہدو کہ میرا رب اِسبات سے پاک ہے کہ کوئی اسپر تحکم کر سکے میں تو صرف ایک بندہ اور اُسکا رسول ہوں"۔ آیت ماقبل کو ساتھ ملانے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سورہ بنی اسرائیل میں بھی سورہ اعراف اور سورہ عنکبوت کیطرح طلب معجزات کے جواب میں قرآن شریف ہی پر کفایت کیگئی ہو۔ پس اس جواب سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا کو جن معنوں میں مرزا صاحب نے لیا تھا۔ وہ ہرگز صحیح نہیں اس جواب کا صحیح مطلب وہی ہی جو تفسیر ابن کثیر وغیرہ سے پیشتر گزر چکا ہے * تم والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصلحٰت

اہل مطابع کی خدمت میں گزارش

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ کسی کتاب کے تصنیف کرنے میں اُس کے مضامین کی دقت کے لحاظ سے مصنف کو کیا مشکلیں رو دکھاتی ہیں۔ اور اسے کس طرح اپنے معاصرین اور خصوصاً مخالفین کے اعتراضات کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے۔ مَن صَنَّفَ فَقَدِ استُهدِفَ بالخصوص کسی ایسے مسئلہ کی تحقیق میں جو علمائے عظام میں معرکۃ الآراء اور منزلۃ الاقدام ہو رہا ہو کیسی چھان بین کرنی پڑتی ہے۔ اور کتنے مختلف علوم و فنون کی کتابیں جمع کرنی پڑتی ہیں۔ اور اُنکے مطالعہ میں طبع پر کتنا زور ڈالنا پڑتا ہے۔ اور ان علوم کے عمیق سمندر میں کیسی جرأت و قوت سے غوطہ لگا کر حضرت تائید کی دستگیری سے گوہرِ مقصود سے جیب مراد پُر کی جاتی ہے۔ اور صفحات کتب کے وسیع میدان کو کس استقلال و ہمت سے طے کر کے قائدِ توفیق کی رہبری سے منزل مقصود تک پہنچا جاتا ہے۔ آجکل حضرت **عیسٰے** علیہ السلام کی **حیات** اور **رفع آسمانی** کو دلائل عقلیہ سے تحقیق کر کے خاص قرآن شریف سے ثابت کرنا ایسا ادق ہو رہا ہے کہ زمانہ کے بہت سے لوگوں کی ہمتیں اس امر کے نبھانے سے قاصر ہیں۔ بیشک علمائے وقت میں سے کئی ایکنے اس باب میں کتابیں لکھیں۔ اور ہر ایک نے اپنی ہمت بھر اس **فتنہ کادیانی** کو فرو کیا۔ لیکن چونکہ اصول کی رنگت اور بو جدا جدا ہوتی ہے۔ اور ہر شخص کا مذاق سخن اور طریق بیان نرالا ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کسی نے تو اس کے الہام اور پیشگوئیوں کا حالت کنندہ حال بیان کر کے قابل داد تردید کی اور کسی نے اُنکے مغالطات اور توہمات دربارہ مسیح عیسویت کی ایسی حقیقت کھولی کہ بہت سی خلق خدا کو اُنکے دام تزویر سے نجات حاصل ہوئی اللہ تعالٰے سب لوگوں کی سعی مشکور فرماوے۔ اور اُن کی تصانیف کو اُن کے لئے ذخیرہ عاقبت بنا دے

لیکن خاکسار کی نظر میں **حضرت عیسٰے** علیہ السلام کی **حیات آسمانی** اور **رفع جسمانی** کے متعلق کوئی کتاب جو معقولی اور منقولی دلائل کی جامع ہو۔ اور مخالف کے تمسکات کو خاص قرآن شریف اور لغت عرب کے رو سے ضعیف اور غلط ثابت کر کے دکھاوے اور خصم کو ساکت کر دے **شہادت القرآن** کے سوائے کوئی نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کے دو اصول ہیں اول مفسرین کے اقوال تو درکنار حدیث نبوی ﷺ بھی اگر انکے فہم کے خلاف ہو تو اُسے بھی مخالف قرآن کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ **دوسرا** یہ کہ قرآن شریف کی کسی آیت کی تفسیر گو کیسی ہی صحیح کیوں نہ ہو۔ اُس سے قانون قدرت کے خلاف کا عذر کر کے جھٹ انکار کر دیتے ہیں اور اپنے پر حجت پوری نہیں ہونے دیتے۔ ان **شہادت القرآن** کے ہر دو حصوں میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کی **حیات** اور رفع کے متعلق اور **سلم الوصول** میں **معراج نبوی** صلعم کے متعلق اور مرزا صاحب کے تمسکات کے جواب کے متعلق یہی طریق اختیار کیا گیا ہے۔ اور مرزا صاحب کے اپنے اصول کی پابندی سے اُن پر حجت پوری کی گئی ہے۔ جس کے جواب سے وہ آجتک ساکت ہیں۔ چونکہ اس خاکسار کو ان کتابوں کی تصنیف کرنے میں محنت اُٹھانی پڑی ہے۔ لہذا اہل مطابع و دیگر صاحبان کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ ان مذکورہ کتابوں اور اسی طرح **عصمت النبی** اور **نزول الملائکہ** کی طبع کا قصد بغیر اجازت کے نہ کریں۔ واللہ الموفق للخیر +

ملتمس خاکسار

خادم سنت محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

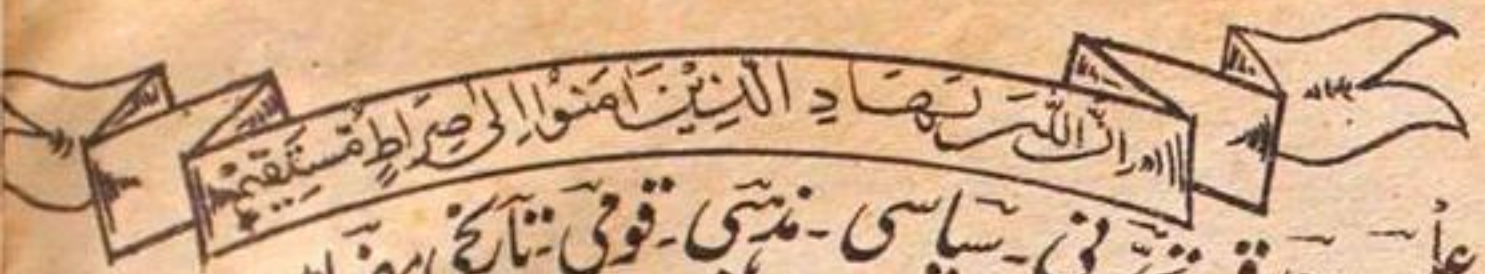

اِنَّ اللّٰہَ لَہَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

علمی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ سیاسی۔ مذہبی۔ قومی۔ تاریخی مضامین کا ماہوار رسالہ

الہادی

یہ اسلامی پرچہ پنجاب پریس شہر سیالکوٹ سے ہر انگریزی مہینہ کی د
تاریخ کو اپنی عمدہ لکھائی اور نفیس چھپائی کے ساتھ اعلےٰ درجہ کے
پر بڑی آب وتاب سے شائع ہوتا ہے۔ یوں تو بہت سے اخبار ورسایل جا
ہیں۔ مگر الہادی میں اُن کی طرح یہ نہیں ہوتا کہ بروقت اشاعت جو
ہاتھ لگا لکھ دیا۔ اور مطالعہ کے بعد ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ بلکہ
علاوہ متفرق مضامین کے باقاعدہ اور سلسلہ وار مضامین کا ال
کیا گیا ہے۔ جس سے معزز خریداران کے پاس نایاب مذہبی کتابیں جمع
ہوجاتی ہیں۔ جو اُردو زبان میں بہت کمیاب ہیں۔

اغراض ومقاصد

(۱) یہ ثابت کرنا کہ رسول کریم صلعم نے دُنیا کو ظلمت جہل سے نور علم کی طرف
ہدایت کی (۲) تعلیم معاد و معاش کیلئے آپ سے بڑھکر عملی نمونہ کوئی نہیں (۳)
تہذیب اخلاق اور حفاظت فطرت کیلئے قرآنی تعلیم سب سے احسن و ابلغ ہے
(۴) علمائے اسلام سلف وخلف رحمہم اللہ کے حالات اور اُنکے جانکاہ سفرو
کے کوائیف اور یہ ثابت کرنا کہ وہ اس کی صداقت کا ثبوت ہیں: (۵) غیر
کے اعتراضات کے مہذبانہ تحقیقی جوابات +

قیمت سالانہ

(۱) عام خریداروں سے (عہ) (۲) طلبا اور ذی استطاعت علماء سے (عہ) (۳)
غیر مستطیع علما جو الہادی کی اشاعت میں کوشش فرمائیں اُن سے صرف خرچ ڈاک

نیازمند منشی فیض علی مینیجر پنجاب پریس و مالک رسالہ الہادی شہر سیالکوٹ